درس حدیث

محمد اظہر مدنی

اللہ کو ہمیشہ یاد کرتے رہو

عن عبد الله بن بسر رضي الله تعالى عنه ان رجلا قال: يا رسول الله! ان شرائع الاسلام قد كثرت على فأخبرني بشيء أتشبت به قال: لا يزال لسانک رطبا من ذکر الله. (رواہ ابن ماجہ)

عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! اسلام کے احکام زیادہ ہونے کیوجہ سے مجھ پر بھاری ہو گئے ہیں، اس لئے مجھے آپ کوئی عمل بتا دیجئے جس کو مضبوطی سے پکڑ لو (یعنی اس پر برابر عمل کرتا رہوں) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے (اللہ کو ہمیشہ یاد کرتے رہو)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

مسلمان کو یہ شکوہ ہے کہ وہ پریشان ہے، اس کی تجارت میں برکت نہیں ہو رہی ہے، تجارت برباد ہو گئی ہے، آمدنی میں برکت نہیں ہے، لیکن کیا اس نے کبھی اپنا محاسبہ کیا کہ نبی ﷺ نے صبح وشام ہمیں جن آسان ترین دعاؤں کا ورد کرنے اور پڑھنے کی تلقین کی ہے، کیا اس پر عمل کر رہے ہیں، اگر حقیقت پسندانہ طریقہ سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سو مسلمانوں میں سے آدھے مسلمان بھی نہیں پڑھ رہے ہیں۔ اور جو پڑھ بھی رہے ہیں وہ مدرسہ کے فارغین ہیں، اگر ان کو اس تناسب سے الگ کر دیا جائے تو یہ تناسب صرف صفر بچے گا، جس کا مطلب یہ بھی ہے کہ زیادہ تر لوگ دعائیں یاد کرنے پر توجہ نہیں دیتے ہیں۔

نبی ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف دعائیں سکھائیں ہیں۔ اس پر عمل کرنے سے بہت سے مصائب سے بچا جا سکتا ہے، آج دنیا کے کسی حصہ میں جب کوئی واقعہ ہوتا ہے تو زیادہ تر لوگ جذباتی ہو کر الٹے سیدھے بیان دینا شروع کر دیتے ہیں، جبکہ سب سے ابتدائی علاج دعائے نبوی ہے، مثال کے طور پر جب نقصان پہنچے تو نبی ﷺ نے دعا پڑھنے کی تلقین کی ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی کے نزدیک توانا مومن کمزور مومن سے بہتر ہے، جبکہ دونوں کے اندر خوبی ہے، جو چیز فائدہ پہنچا سکتی ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اللہ تعالی سے مدد مانگو، بے بس ہو کر نہ بیٹھو، اگر تمہیں کوئی زک پہنچ جائے تو یہ نہ کہا کرو کہ اگر میں اس طرح کیا ہوتا تو اس طرح ہو جاتا، بلکہ یہ کہا کرو: قدر الله وما شاء فعل. یعنی اللہ نے جو کچھ مقدر کر دیا تھا اور اللہ تعالی نے جو چاہا کیا۔ کیونکہ اگر مگر کا لفظ شیطان کو بہکانے کا موقع دیتا ہے۔

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے گھر سے نکلنے، مسجد میں داخل ہونے، مسجد سے نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلنے، گھر میں داخل ہونے، شیطان کے وسوسوں سے بچنے، مریض کے لیے دعا کرنے، مریضوں کی عیادت کرنے، مصیبت میں مبتلا، قرض کی ادائیگی کے لیے دعا، الجھن اور غم کے وقت دعا، نیند میں گھبراہٹ، برا خواب دیکھنے پر دعا، مسجد کی طرف جانے کی دعا، کھانے سے پہلے کی دعا، کھانا کھانے کے بعد کی دعا، وضو سے پہلے کی دعا اور وضو کے بعد کی دعا، بیت الخلاء میں خبیثوں سے بچنے کے لیے دعا اور نکلنے کے بعد دعا، سونے سے پہلے اور بیدار ہونے کے بعد کی دعا، اور دیگر دعائیں سکھائی ہیں، لیکن اس پر بہت سے لوگ عمل نہیں کر رہے ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ دعا سے غفلت برت رہے ہیں۔ شکوہ کرنے سے پہلے اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ کیا ہم ان دعاؤں کو پڑھنے کا اہتمام کر رہے ہیں، جو ہماری مصیبتوں کو دور کرنے، مصائب سے نجات دینے والی ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ان دعاؤں کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔

مدیر مسئول

اصغر علی امام مہدی سلفی

مدیر

مولانا محمد خورشید عالم

مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت

مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی

مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
حج: انسانی مساوات کا عملی نمونہ	۸
اسلام کے پانچ ارکان	۱۰
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے	۱۲
استقامت وثبات قدمی کے دس قواعد (۲)	۱۵
مہمان نوازی کے آداب	۱۸
فرقہ معطلہ کا تاریخی مطالعہ (۲)	۲۲
سپریم کورٹ کا اردو زبان کولیکر تاریخی فیصلہ	۲۵
شاہد جنید رحمہ اللہ	۲۶
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۳۰
جماعتی خبریں	۳۱
اپیل	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ ______ ۱۵۰/روپے

فی شمارہ ______ ۷/روپے

پاکستان ______ ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ و دیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

ویب سائٹ www.ahlehadees.org

ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com

جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اصغر علی امام مہدی سلفی

اداریہ

امت کا حال زار اور یوسفی کردار

جسم امت وانسانیت امراض وآلام کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ انواع واقسام کی بیماریاں جسم امت مسلمہ میں سرایت کر گئی ہیں اور جراثیم کی روز افزوں افزودگی نے تمام عقلائے امت، فقہائے زمانہ اور حکمائے عصر کو حیرت زدہ کردیا ہے۔ بلکہ لوگ کہنے لگے ہیں کہ اب ہمارے ایلڈرس (Elders) حکمائے زمانہ سفہائے زمانہ بن چکے ہیں اور حالت بہ ایں جارسید کہ اب قبیلہ عامر میں صرف یہی نہیں کہ کوئی قیس نہ رہا، بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس صحرانوردی کے لیے اب کوئی بچا ہی نہیں۔ کہتے ہیں کہ زمانہ کبھی بانجھ نہیں ہوتا، مگر ہاں! جب اس میں جینے والے جیالے ختم ہوجاتے ہیں تو ان کی جگہ لینے والا پھر کوئی پیدا نہیں ہوتا اور کوئی کہنے والا یہ نہیں کہتا کہ "اذا مات منا سید قام سید" ۔کہ جب ہمارا ایک سردار مرجاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا سردار فورا لے لیتا ہے۔

ہماری صفوں میں ہر روز ایک خلا پیدا ہو رہا ہے اور اس کو پر کرنے کے لیے کوئی پیدا نہیں ہو رہا ہے۔ کل تک قحط الرجال اور فقدان مردان میدان کا ذکر و بیان زیب داستان کے لیے ہوتا تھا، اب حقیقت میں امت مسلمہ کے مسلمہ دینی ، سماجی، اخلاقی، تعلیمی اور تربیتی امور اور قیادت و سیادت اور تعلیم وتربیت کے مسائل پر نظر رکھنے اور ان کا حل پیش کرنے کے لیے بھی کوئی نظر نہیں آتا اور قحط الرجال کا شکوہ زبان زد عام وخاص ہے۔ گویا اطبائے زمانہ ناپید ہو رہے ہیں، امراض کی کثرت ہوتی جارہی ہے اور ملت کے ہر فرد کے بیمار ہونے سے ماحول ومعاشرہ اس طرح کا بن رہا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ امراض کی تشخیص کرنے والے ختم ہوگئے ہیں، امراض کی کثرت کی وجہ سے اس کی تعیین نہیں ہو پارہی ہے اور اصل مرض جس سے جسم فرد و جماعت ناسور کا شکار ہے، اس سے پوری امت نابلد ہے، بلکہ مرض معلوم ہونے اور کھلی آنکھوں سے بیماری کی جڑ اور اصل کا مشاہدہ ہونے کے باوجود مریض علاج سے جی چرا رہا ہے۔

ماضی میں مختلف ذرائع اور بہانے سے مسلمانوں کو تعلیمی ومعاشی طور پر پسماندہ اور کمزور کرنے ، ان کی حیثیت ختم کرنے اور تشخص مٹانے کی سعی کی جاتی تھی اور صنعت وحرفت جو مسلمانوں کے یہاں رائج اور لائق تعریف تھی اور جو ان کی روزی روٹی کا سبب بن سکتی تھی، کو نقصان پہنچا کر ان کو مفلوج کرنے کی کوشش ہوتی تھی، حتی کہ قانون سازی کے ذریعہ ان سے ذرائع معاش چھین

لینے کی سازش ہوتی تھی اوراس سب میں بڑی خطرناک چیز فرقہ وارانہ فسادات تھے، جن کی وجہ سے مسلمانوں کوفقر وفاقہ کی نوبت آجاتی تھی، حتی کہ ان کا ذریعہ معاش، ان کی صنعت وحرفت اوران کی تجارت ٹھپ پڑ جاتی تھی۔ سنا ہے یہ سب حکومت کی پلاننگ سے ہوتا رہا ہے۔ مگر غور کریں تو یہ بلوائیوں کا کام ہوتا تھا۔ آج حالات یہ ہیں کہ تمام طرح کی صنعتیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے یا تو نکل چکی ہیں یا وہ دوسروں کے ہاتھ میں مکمل طور پر چلی گئی ہیں اور جو کچھ باقی ہیں وہ ’’عاملة ناصبة‘‘ کے قبیل سے ہیں، بلکہ اس سے بھی بدتر ’’خسر الدنیا والآخرة‘‘ کا مصداق بنی ہوئی ہیں۔ کماتا کون ہے اوراس کے منافع کون حاصل کرتا ہے؟ یعنی مسلمان اب مزدور محض اور کمانے کی مشین بن چکا ہے اور طرہ یہ ہے کہ اس بھیک اور محنت کے عوض اس کو صرف نان شبینہ میسر ہے اور بس۔ اس کے برعکس نفع خور اور دولت مند لوگ مسلمانوں کی کمائی ہوئی دولت پر عیش کرتے اور اتراتے ہیں۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق و ہدایت سے ملک وملت اور سب کی بھلائی ہوسکتی ہے اور بھائی چارہ کا قیام ممکن ہے۔ اگر ہم خصوصا مسلمان انابت الی اللہ کریں گے اور تقویٰ والی اور رب چاہی زندگی گذارنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی برکتیں، امن وامان، اطمینان اور نعمتیں ہم پر نچھاور ہوں گی۔ آج کی دنیا جو اپنی وسعتوں کے باوجود انسانوں اور مسلمانوں پر تنگ ہوتی جارہی ہے وہ پھر سے امن وامان اور اخوت ومحبت کا گہوارہ بن جائے گی اور اس کے پروردگار کے حسب وعدہ اور نظام اس کے متقی، ایماندار، تقوی شعار اور فرماں بردار بندوں کو زمین میں تمکین وتسکین کا سامان بہم پہنچایا جاسکے گا۔

موجودہ حالات میں اگر مسلم امت جسے قوموں کی بھلائی و رہنمائی کا فریضہ انجام دینا تھا اور مادیت زدہ اور جاہ گزیدہ دنیا کو سود وزیاں کا اسلامی و روحانی اور اخروی نسخہ عطا کرکے اسے دونوں جہاں میں کامیابیوں سے ہمکنار کرنا تھا، اپنا مطلوبہ کردار ادا کرتی تو دنیا پھر امن وشانتی اور اخوت و بھائی چارہ کی آماجگاہ ہوجاتی اور دیر یا سویر ہم کو یہ پائیدار کام کرنا ہی ہوگا۔ اس کے بغیر جتنی بھی کوششیں صرف ہورہی ہیں ان کی خاطر خواہ فائدے نہیں ہورہے ہیں، بلکہ بسا اوقات ’’مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی‘‘ کے مصداق ہوتا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ایک ایسے بندہ کے سلسلہ میں وارد ہے کہ جس نے تقویٰ کی زندگی اختیار کی اور وقت اور حالات کی نامساعدگیوں، ناہمواریوں، چیلنجز اور سازشوں کو یہی نہیں کہ انتہائی کسمپرسی اور بے سروسامانی کے عالم میں ناکام کیا بلکہ اللہ نے اسے وہ کامیابی عطا فرمائی جس پر معجزہ ہونے کا تصور ہوتا ہے۔ ایک آدمی جسے قوت وسیاست اور حکومت کے بل پر پس دیوار زنداں کردیا گیا ہو اور سالہا سال تک کوئی اس کا پرسان حال اور پیروی کار نہ ہو وہ کس طرح یکایک پوری عزت واحترام اور حکومت کی سرپرستی اور اسلامی وحکومتی اعزاز کے ساتھ یہ نہیں کہ باعزت بری کیا جاتا ہے بلکہ پورے اکرام وانعام کے ساتھ حکومت کے سب سے اہم منصب پر فائز ہوتا ہے اور سربراہ مملکت اس کو اپنا مقرب، خاص الخاص اور ہمراز ودمساز بھی بنالیتا ہے۔ ان آیات کو پڑھئے اور دیکھیے کہ اس خاص بندے کا ایمان وتقویٰ، خوف خدا، فرض منصبی اسلامی وایمانی اور انسانی اور ملک وملت حتی کہ جانی دشمن اور سلطنت کی خیرخواہی اور عام انسانوں کی بھلائی کے لئے دی ہوئی اس کی قربانی کیسے رنگ لاتی ہے؟ اور اللہ کی وسیع ترین زمین جو تنگ ہوچکی تھی کس طریقے سے اس کے پیروں تلے بچھادی جاتی ہے اور اس متقی انسان یوسف علیہ السلام کو فراخی وفراوانی اور اختیارات کا مالک بنادیتی ہے۔ ہے کوئی جو اس وقت حالات کا رونا نہ روکر اور جبر وظلم کی کہانی نہ دہرا کر تقویٰ، ایمان اور نصح واخلاص کی راہ اپنائے، اور ظلم وانصاف کا خون کرنے والی حکومت اور تہمت کے ذریعے فرضی کیسوں میں پھنسا کر قید وبند سے دوچار اور ذلیل کرنے والے حاکم کی سب سے کٹھن گھڑی اور بحرانی وقت میں اپنے علم اور قوت امانت اور سیاست وسیادت سے فائدہ پہنچانے بلکہ بڑھ چڑھ کر اس بارگراں کو اپنے ناتواں کندھوں پر نازک ترین وقت میں ڈال دے۔ آہ! وہ کیا تھے ہمارے آباء واجداد اور ہم کیا ہیں؟ حقیقت میں

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت و سیارہ

تعجب ہے کہ لوگوں کو صرف اتنا یاد ہے اور بجا یاد ہے کہ یوسف کو صبر وتقویٰ کا بدلہ حکومت کی شکل میں ملا۔ نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ انھوں نے ایسے بحرانی اور ظالم حکومت کے برے وقت میں اور اقتصادی طور پر سب سے سنکٹ کی گھڑی اور قحط سالی اور زبوحالی سے دوچار ہونے والی حکومت کا کانٹوں بھرا تاج ساری عداوتوں اور ظلم وستم کو بھلا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ افسوس کہ کچھ حضرات صرف اس انتخاب اور اختیار منصب وزارت مالیہ کو طلب جاہ ومنصب سے تعبیر کرکے دلیل ڈھونڈتے ہیں۔ اور حالات وظروف کی روشنی میں اس کی نزاکتوں اور عظیم ذمہ داریوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ہر طرح کی مصیبتوں سے چھٹکارا پائے اور فوز وفلاح کی راہ پر گامزن ہوجائے۔ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ

لِنَفْسِيْ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مِكِيْنٌ أَمِيْنٌ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلَى خَزَآئِنِ الأَرْضِ إِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِيْ الأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَن نَّشَاءُ وَلاَ نُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ وَلَأَجْرُ الآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُوْن.

(یوسف:۵۴۔۵۷)''بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے خاص کاموں کے لئے مقرر کرلوں، پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ آپ ہمارے یہاں آج سے ذی عزت اور امانت دار ہیں۔ (یوسف نے) کہا آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کردیجئے، میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔ اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک کا قبضہ دیدیا کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے سہے، ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچادیتے ہیں۔ ہم نیکوں کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔ یقیناً ایمان داروں اور پرہیزگاروں کا اخروی اجر بہت ہی بہتر ہے۔''

ایسے ہی اللہ تعالی نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو زمین کی تمکین اور قوت عطا فرمائی اور سرزمین مصر میں ان کی ایسی دھاک بیٹھائی کہ وہ جہاں چاہیں، جیسے چاہیں اور جس طرح چاہیں اپنا مقام ومکان اور ٹھکانہ بنائیں، حکومت میں اپنا کلیدی کردار ادا کریں اور خزائن مصر کے خازن ووزیر مالیہ اور منسٹر بن کر خزانہ میں تصرف فرمائیں۔ کیوں کہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے زمانہ کے ہر سرد و گرم کو سہا، یسر وعسر، تنگی وفراخی اور ہر طرح کی مشکل گھڑی، کٹھن حالات اور ہر طرح کے امتحانات میں ثابت قدم رہے۔ تقویٰ و پرہیزگاری، رب کی اطاعت شعاری اور اس کی شکر گذاری کا حق ادا کیا، حالانکہ برادران یوسف نے والد ماجد کی ادنی توجہ، خورد ونوش، عنایات والطاف، شفقت پدری اور ادنی نان ونفقہ کو بھی برداشت نہیں کیا، طرح طرح سے تنگ کیا، انواع واقسام کی مشکلات سے دوچار کیا اور بدنام، بے اثر اور پریشان کرنے کے لیے کوئی حربہ استعمال کرنا نہ چھوڑا۔ کوئی دقیقہ ایسا نہ تھا جسے ان کو والد گرامی کی نظروں سے گرانے، زچ کرنے اور ستانے میں فروگذاشت کیا ہو، حسد وکینہ کی جو آگ اور غیض وغضب کا جو لاوا سینہ میں جل رہا تھا اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے سارے ہتھ کنڈے استعمال کیے، شب و روز سازشوں اور چالوں کے جالوں کو بنا اور اپنی ساری طاقتیں اور سورس صرف کردیئے، حتی کہ اس پاکیزہ نفس اور سب سے بڑے امانت دار نے اپنی اور غیروں کی عزت ومال اور حسب وجاہ کو امانت سمجھ کر اپنی عزت وجان کی بھی پرواہ کیے بغیر ان کی حفاظت وصیانت کے لیے ناکردہ گناہ کا الزام سہا، ناحق پس زندانی قبول کی مگر زبان کو ادنی حرکت بھی نہ دی اور دل ہی دل میں زہر کے اس نوالہ کو حلق میں اتارلیا۔ اور ان (یوسف علیہ الصلاۃ والسلام) کو زبان حال سے کہنا پڑا:

کس دن نہ تہمتوں کو تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

اخوان یوسف کا حاسدانہ کردار ذرا ملاحظہ فرمائیں:

إِذْ قَالُواْ لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَى أَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

''جبکہ انھوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی بنسبت ہمارے، باپ کو بہت زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم (طاقتور) جماعت ہیں۔'' (یوسف:۸)

حتی کہ والد ماجد جو گروہ انسانی اور نسل انسانی کے افضل ترین انسان تھے، پر بھی انہوں نے سوال اٹھایا اور اولاد کے درمیان عدل وانصاف اور مساویانہ برتاؤ نہ روا رکھنے اور جانبدار ہونے کا اپنا فیصلہ سنادیا کہ'' ان ابانا لفی ضلال مبین'' (یوسف:۸)''کوئی شک نہیں کہ ہمارے باپ (یوسف اور بنیامین سے زیادہ محبت کرکے) صریح غلطی پر ہیں''۔

ان کی الزام تراشیاں تو اس وقت نصف النہار پر پہنچ گئیں جب بھائیوں نے نادانستہ خود ان کے سامنے ان پر تہمت لگائی کہ:

قَالُواْ إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِيْ نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ''انھوں نے کہا کہ اگر اس (بنیامین) نے چوری کی (تو کوئی تعجب کی بات نہیں) اس کا بھائی (یوسف) بھی پہلے چوری کرچکا ہے۔ یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہر نہ کیا۔'' (یوسف:۷۷)

دنیا کی تاریخ ہے کہ جب معاشرہ کے لوگ ایمان کی دولت سے خالی اور تقویٰ سے عاری ہوں تو وہ اس طرح کے الزامات لگا کر اپنی نااہلی چھپانے کے لیے اس طرح کا جعلی ثبوت فراہم کرنے سے نہیں چوکتے۔ آج کچھ قومیں، جماعتیں، حکومتیں، تنظیمیں اور افراد واشخاص دیگر اقوام وافراد کے ساتھ یہی کچھ روا رکھ رہے ہیں۔ مگر سوال ظلم وظالم کا نہیں، مظلومین کا ہے کہ کیا وہ خود اپنے نفس پر ظلم تو نہیں کر رہے ہیں، اپنی کوتاہیوں، غلطیوں اور گناہوں کی پاداش میں ظالموں کے پنجے میں تو نہیں پھنس رہے ہیں اور عذاب الہی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت تو نہیں دے رہے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنے ایمان اور دین پر ثابت قدم رہتے اور ہر حال میں اللہ کی یاد میں رطب اللسان رہتے، تصدیق قلب وجنان کی دولت سے مالا مال ہوتے، عمل بالارکان پر کاربند

ہوتے، اتقان واذعان کے زیور سے آراستہ وپیراستہ ہوتے، خوف و ناراضگی رحمان سے پریشان رہتے، گناہوں سے کوسوں دور بھاگتے اور اپنے ایمان واعمال کا احتساب کرنے کے ساتھ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے۔ کیا ان کے لئے ان اولوالعزمان من الرسل اور مخلصین بندوں کی زندگی میں بہترین نمونے نہیں ہیں؟ جب وہ خود اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں طرح طرح سے ستائے گئے، گھر اور وطن سے بھگائے گئے، قتل واغوا کی واردات سے دوچار کیے گئے، اندھے کنویں میں اوندھے منہ ڈال دیئے گئے اور بازار مصر میں ٹکوں کے بھاؤ بیچ دیئے گیے۔ بھائیوں نے قمیص کو بھیڑیا کے خون سے لت پت کر کے یوسف کے ختم ہونے کے فرضی ثبوت فراہم کرنے، دلائل وبرہان کے زور پر اس کو قتل ثابت کرنے، اپنی بے گناہی کا ثبوت فراہم کرنے، سیاہی پر سفیدی پوتنے، والد سے کیے گئے وعدہ خلافی پر عذر لنگ تلاش کرنے اور اس پر سچائی کا لیبل لگانے کے لیے کیا کیا نہ کیا تھا؟ مگر ان تمام حالات میں یوسف ثابت قدم رہے، پھر عزیز مصر کے ہاتھوں جو ناز ونعم اور مقام ومرتبہ حاصل ہوا اس پر اللہ اور بندے کی شکرگذاری کرنے، امانت میں خیانت نہ کرنے، محسن و مالک، ماوی وملجا اور اچھی دیکھ ریکھ اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ ٹھکانہ دینے بلکہ بیٹا بنا لینے والے کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے اپنے جذبات خیالات، ہر طرح کی تہدیدات ووعیدات کو خاطر میں نہ لانے اور اس کی پاداش میں ملکہ خانہ، خاتون اول زمانہ اور ساز باز زنانہ کی چالوں اور اداؤں میں نہ آنے کا کام کیا اور صاف صاف فرمادیا کہ ''انہ ربی احسن مثوای انہ لا یفلح الظالمون'' (یوسف:۲۳) ''وہ میرا رب ہے، اس نے مجھے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا''۔

ظالم کے ظلم وتعدی اور اس کے غارت گر ایمان واخلاق تصرفات کو خاطر میں نہ لاکر اور اس کی ہر طرح کی زیادتی کو برداشت کر کے اس کی عزت وناموس کی حفاظت کرنے، اس گھر کے وقار وتقدس کو بچانے کی فکر اور پرواہ ہونے اور کسی بھی طرح کے شکوہ وشکایت، بکھراؤ، ناچاقی اور پژمردگی سے اس عظیم گھرانے کو بچانے کی سعی بلیغ کرنے کے ساتھ اس کے احسانات کو یاد کر کے منت کش احسان بننے کا کام کتنا عظیم کارنامہ ہے اور کس درجہ ان کا اعلیٰ اخلاق وایمان ہے؟ ہم تو کم از کم اپنے محسنوں کو دھمکاتے بھی ہیں، احسان بھی جتاتے ہیں اور جس برتن میں کھاتے ہیں اس میں سوراخ نہ بھی کریں تو اتنا ضرور کہتے ہیں کہ اس گھر کا راز اور اس کی عزت میرے ہاتھ میں ہے، جب چاہوں اس کو ننگا کردوں۔ آہ! کیا وہ تھے ہمارے اسلاف، آباواجداد اور کہاں کھڑے ہیں ہم؟ ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے اور شکوہ اغیار کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ہم تو غیروں کے ناموس کی حفاظت، ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی صیانت اور بچاؤ کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ کنتم خیر امة أخرجت للناس (آل عمران: ۱۱۰)۔ ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے''۔

دیکھو! وہ اسی پر بس نہیں کرتے، بلکہ وہ اپنے مضبوط دست و بازو، زبردست وقوی ارادوں اور نیتوں پر کنٹرول، اخلاق وکیرکٹر میں پختگی اور بلندی کے علی الرغم اور اپنی شخصیت کی عظمت وقوت پر بھروسہ ہونے کے باوصف صاف صاف ہاتھ پھیلائے اور دامن پسارے بصد الحاح وآہ وزاری دست بدعا ہیں، اللہ تعالیٰ کے عظیم وطاقتور قلعے میں پناہ لینے کے لیے بے چین ہیں اور صدائے سحری لگارہے ہیں اور پکار رہے ہیں معاذ اللہ! معاذ اللہ! اللہ ہی پناہ دیں گے تو بچوں گا، گرچہ وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوسکتے تھے کہ

دست و بازو پہ جب اعتبار آگیا
ناؤ منجدھار سے اپنا پار آگیا

لیکن یہاں غایت درجہ تقویٰ اور خوف وخشیت الٰہی ہے، رب مجازی ورب حقیقی کا ہر دم خیال ہے، ہر طرح سے نفس پر کنٹرول ہے، نفس امارہ کو مار گرایا ہے اور سخت سے سخت اور نازک ترین حالات میں بھی پائے استقامت میں ادنیٰ جنبش اور لرزش کا سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے، بلکہ آزمائش، امتحان، بلاؤں اور مصائب کا طوفان بلاخیز ہے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہا۔ بار بار جان پر آن پڑی ہے، عزت وناموس داؤں پر لگ چکی ہیں اور کیریئر خراب ہونے کی دھمکی کے ساتھ زندگی بھی اجیرن کردی گئی ہے، پل بھر کے لیے جینا بھی دوبھر ہے اور پس دیوار زندان ومنتظر دار ورسن ہیں اور ناکردہ بدترین گناہ کی پاداش میں فرد جرم قائم ہوکر قید بامشقت کی سزا دیدی گئی ہے، مگر استقلال میں ادنیٰ تزلزل کیا ہوتا، مزید استقامت کی چٹان بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ ان تمام رذائل کے مقابلے میں خود ہی قیود وسلاسل کو آگے بڑھ کر چوم لیتے ہیں اور دار ورسن کا تمغہ سمجھ کر گلے میں ڈال رہے ہیں قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ (یوسف:۳۳) ''یوسف نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلارہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے''۔ لیکن بایں ہمہ اللہ ہی پر بھروسہ ہے اور اسی سے طلب مدد کی دہائی ہے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اوراسی پر کسی نے کہا ہے۔

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

پھر رب کی طرف ہی رجوع اوراس قدر دل میں تقویٰ وخوف الٰہی ،جسم و جان پر کنٹرول،اخلاق کی پختگی اورصبر وشکیبائی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے دربار میں گہاراور پناہ ڈھونڈھنے کی ادا پرسوسوبار قربان جایئے اور ہرطرح کی آزمائش اورآلام پرصبر وہمت اورحوصلہ کی داد دیجئے اور ایسے ہی استقامت پیدا کیجئے۔ میں نے کردار کی بہت سی بلندیاں دیکھی ہیں، پڑھی ہیں،توحید باری تعالیٰ اور تقویٰ وایمان اوراس پر استقامت کے قصےاورواقعات اوراس کے اثرات کے بارے میں بارہاسنا ہے،مگر وہ حسن جو یوسف میں دیکھا وہ خوبصورتی کہیں نظر نہیں آتی۔افسوس کہ آج دنیا داروں کوصرف یوسف کا وہ حسن ظاہری ہی یادرہا اوران کے یہاں ضرب المثل بنااوراس کے جمال وکمال آفتاب ماہتاب کو دنیا جاننے ماننے سے قاصررہی۔

آخرہم کو یہ اسوہ،مصائب وآلام میں کیوں نہ بھاتا؟ اور کیوں کررہے ہیں ہم اس وقت دردر کی گدائی اورآخر کیوں نہ ہو ہماری ہرسطح پر رسوائی اور کیسے ہو ہماری ایوان بالاتک رسائی؟ کہ وقت مانگنے سے بھی نہیں ملتا۔دراصل پاور کے سرچشموں اور طاقت وقوت کے منبع سے ہمارا کنکشن کب کا کٹ چکا ہے۔مجھے تو لگتا ہے کہ حشرات الارض،کیڑے مکوڑوں اور کنکر و پتھر کے پوجنے والے ہمارے غیرمسلم بھائیوں سے بھی زیادہ ہم اپنے معبود برحق،خالق حقیقی،رازق اصلی، وہاب اور داتا سے دور ہوگئے اور اس پر سے ہمارا اعتماد اٹھ چکا ہے اورتوکل ختم ہو چکا ہے،اس لیے ہم ہر در کی دریوزہ گری کرنے پر مجبور ہیں اور کہیں سے کوئی شنوائی نہیں ہورہی ہے۔اس لیے استقامت پیدا کریں،ورنہ ہمیں ڈر ہے کہ اگر یہی حال رہاہمارے ایمان ویقین اورعمل کا تو ایسا نہ ہو کہ دنیا میں دین وایمان اورجان پرآن پڑے اوراس کے ساتھ ہی ہمارارشتہ اپنے رب کریم سے کٹ جائے،آخرت بھی برباد ہوجائے اور خسر الدنیا والآخرة. لا قدر الله. ہوجائے۔

آیئے اجتماعی وانفرادی زندگی اورخلوت وجلوت میں اس رشتے کو استوار و بحال کرلیں اور جلد از جلد رجوع،توبہ اورانابت الی اللہ کر کے دونوں جہان کی کامیابی وکامرانی حاصل کرلیں اور ببانگ دہل اورسرِعلن میں کہیں

در در سے ٹکرا کے سر، رکھا تیری درگاہ پر
تو بھی نہ کر در سے بدر ،تجھ بن نہیں کوئی میرا

حضرت یوسف علیہ السلام اورتمام انبیاء کاملین وحاملین دین وایمان کے جامع کمالات تمہارے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہرطرح کی عبادت، ریاضت،تلاوت وتزکیہ اور جہاد کے باوجود فرماتے تھے کہ ''افلا اکون عبداشکورا'' (متفق علیہ) کہ کیا میں اپنے رب کاشکرگزار بندہ نہ بنوں۔

''ولا تتمنوا لقاء العدو واذا لقيتموهم فاصبروا''. (متفق علیہ)کہ دشمنوں سے مڈبھیر کی تمنامت کرنااوراگران سے مقابلہ ہوہی جائے تو ڈٹ جانا۔

اللهم ان تهلک هذه العصابة من اهل الاسلام لا تعبد فی الارض (مسلم)اللہ تعالی!تونے مجھ سے جووعدہ کیا ہےاسے میرے لیے پورا فرما،اے اللہ!تونے مجھ سے جووعدہ کیا ہے مجھے عطا فرما،اگر مسلمانوں کا یہ گروہ نابود ہوگیا تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

اس جیسی بےمثال عاجزی سے دعا کرنے کے باوجود جوتی کا تسمہ بھی اسی سے مانگ کراوراسی سے لولگا کر حاصل کرتے ہیں۔تم کیا ہو؟مکمل طور پراپنے اعمال اور نیات میں خرافات اور دنیاداری کی وجہ سے رحمت الٰہی سے دور ہوچکے ہو۔آؤ اپنے رب کی طرف دوڑ پڑو،جس طرح جاہ ومنصب اور مال وزر پرسگان دنیا کی طرح ٹوٹے پڑے ہو اس سے بھی زیادہ مسابقت اورمسارعت کے ساتھ اپنے رب کی بخشش اوراس کے دارالسلام اورآسمان وزمین کی پنہائیوں سے بھی بڑھ کراس کی رحمت کی گہرائیوں اور وسعتوں کی طرف دوڑ پڑو۔زمین کے چند ٹکڑوں کے پیچھے ایمان واسلام مت گنواؤ اورزندگی کے چندلمحوں کوآخرت کے دن کے برزخ اورقبر کی زندگی کے سامنے اس سکنڈوں والی زندگی کوترجیح مت دو اورمتقی وپرہیزگاراوررب کا فرماں بردار بن کر زندگی کو کامیاب بناؤ،ورنہ پوری زندگی اورنسلہانسل کا جینا اوراجیرن ہوکررہ جائے گا اوروہ وبال بھی تمہارے ہی سرآئے گا۔تم نے اپنی موجودہ اورآنے والی نسل کوکیسے اللہ کے علاوہ غیروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔

وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ''اوراپنے رب کی بخشش کی طرف اوراس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔'' (آل عمران:۱۳۳)

☆☆☆

حج: انسانی مساوات کا عملی نمونہ

وصی اللہ عبدالحکیم مدنی

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على عبده ورسوله الأمين وعلى آله وصحبه أجمعين ومن سار على نهبه الى يوم الدين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

حج !اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، جو ہر صاحب استطاعت بالغ مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔اس عبادت کی بجا آوری کے لیے مسلمان دنیا کے مختلف گوشوں سے جمع ہوتے ہیں اور بلاتفریق ارکان حج کو ادا کرتے ہیں، اس کی ادائیگی میں اونچ نیچ چھوٹے بڑے کالے گورے کے ساتھ کوئی امتیازی تفریق نہیں کی جاتی ہے۔ اس عبادت کے ذریعے انسانی مساوات کا ایک شاندار عظیم الشان عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے کہ جس کی نظیر دنیا کے کسی بھی مذہب میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اس عظیم الشان عبادت کے ذریعے مسلمانوں کے قلوب خوف الٰہی سے معمور اور اپنے خالق سے قریب ہوجاتے ہیں اور یہ مسلمانوں کی زندگی میں غیر معمولی تبدیلی کا ذریعہ بھی ہے، جس طرح سے دیگر عبادات کے بے شمار فوائد ہیں، اسی طرح حج کے اندر بھی بے شمار دنیوی واخروی فوائد موجود ہیں۔ میں یہاں صرف ان پہلوؤں کی جانب مختصر اشارہ کروں گا، جن سے انسانی مساوات کا درس ملتا ہے اور جن کے ذریعہ انسانی مساوات کے عملی نمونہ کا اظہار ہوتا ہے۔

حج !ایک ایسی عبادت ہے کہ دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ادا کرتے ہیں۔ یہ عبادت مختلف ثقافتی وتہذیبی پس منظر سے تعلق رکھنے والے دنیا بھر کے مختلف قومیتوں کے مسلمانوں کے درمیان باہمی الفت ومحبت تعاون وہمدردی اور احترام کا عظیم مظہر ہے۔ چنانچہ اس عبادت کے ذریعے رنگ ونسل، ملک وزبان کے حدود وقیود سے بالاتر ہوکر محبت ومودت، مواخات وبھائی چارہ اور وحدت ومساوات کا جو لازوال سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ ہم سب ایک ہی انسانی خاندان کا حصہ ہیں اور ہمیں ہمیشہ ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے۔

دنیا کے کونے کونے اور چپے چپے سے مسلمانان عالم رب کی رضا کی خاطر ایک خطیر رقم لگا کر بیت اللہ کا قصد کرتے ہیں اور پورے جوش وخروش اور ولولے کے ساتھ تمام مناسک ادا کرتے ہیں اور خانوادہ ابراہیمی کے نقوش وآثار کا مشاہدہ کرکے اپنے قلب ونگاہ کو سکون بخشتے ہیں اور اس دوران جب تمام حجاج کرام احرام باندھتے ہیں تو وہ سب کے ایک سادہ، سفید، بلا سلے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں اور لباس کی یہ باہمی یگانگت تمام تر دنیوی امتیازات کو مٹا کر رکھ دیتی ہے، کیوں کہ احرام کا یہ لباس ہر ایک کے لیے یکساں ہوتا ہے، چاہے وہ کسی بھی ملک، قوم یا طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ اس لباس کی سادگی کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان اللہ کے سامنے برابری کی سطح پر آتا ہے۔ یہاں نہ کوئی بادشاہ ہے، نہ غریب، نہ طاقت ور ہے اور نہ کمزور۔ یہ سب اللہ کے بندے ہیں جو ایک ہی مقصد کے تحت جمع ہوئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عظیم الشان خطبات دیے تھے، جن میں مساوات انسانی کا درس پایا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے الفاظ مساوات انسانی کے منشور کا درجہ رکھتے ہیں، کیوں کہ آپ نے پوری امت کو تکریم انسانیت، مساوات اور آپسی الفت ومحبت، رحمت ورافت اور مواخات وبھائی چارہ کے اعلیٰ ترین منشور سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

يا ايها الناس، الا ان ربكم واحد، وان أباكم واحد، الا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي، ولا أحمر على أسود ولا أسود على أحمر الا بالتقوى

ترجمہ: اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، خبردار کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے۔ ہاں صرف تقوی اور پرہیزگاری سے ہی کوئی کسی پر فضیلت حاصل کرسکتا ہے۔'' (مسند امام احمد بن حنبل 23489)

اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فان دماء كم، وأموالكم، وأعراكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا**

تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں تمہارے لیے اسی طرح حرمت والی ہیں، جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارے اس شہر مکہ میں اور تمہارے اس ماہ ذوالحج میں حرمت والا ہے۔'' (صحیح بخاری: ۶۷، صحیح مسلم، رقم: ۱۶۷۹)

ان فرامین کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسبی ونسلی تفاکر اور احساس برتری اور کبر وغرور کو اپنے پیروں تلے روند دیا اور اپنی پوری حیات مبارکہ کو انسانی مساوات کے عملی نمونہ سے مزین فرما کر دنیا کے لیے ایک لازوال وبے مثال اسوہ اور نمونہ عطا فرما دیا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے انسانی حقوق کا اعلان فرمایا کہ

انسانوں کا بنایا ہوا خود ساختہ اور کوئی غیر اسلامی نظام اور بشری قانون ان سدابہار اصول ومبادی کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے، بلکہ اس کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا ہے۔ بہرحال ان خطبات کے ذریعہ بتانا مقصود یہ ہے کہ جہاں یہ عبادت مساوات انسانی اور وحدت امت کا بے نظیر نمونہ ہے وہیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور منشور اورضابطہ اس کی وضاحت فرمادی ہے۔

حج کا بابرکت سفر ایک روحانی سفر ہوتا ہے، جہاں مسلمان مختلف عبادات کے ذریعے اپنی روحانی پاکیزگی حاصل کرتے ہیں۔ جیسے طواف، رمی جمار، اور وقوف عرفہ، یہ سب اعمال انسان کو خود احتسابی کی طرف راغب کرتے ہیں۔ یہ عمل ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ دنیاوی زندگی کی عارضیت کے باوجود، اصل اہمیت اللہ کی رضا اور بندگی میں ہے۔ جب لوگ ایک ہی جگہ جمع ہوتے ہیں، تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے حضور سر بسجود ہوتے ہیں، جس سے ہمیں یہ پیغام ملتا ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو برابر کا درجہ دیا جانا چاہیے، بلاتفریق رنگ، نسل یا زبان۔ ہر ایک عظیم موقع ہے جہاں لوگ اپنی تعصّبات اور فرقہ واریت کو چھوڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں اور اللہ کے حضور اپنی عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ حج کا عظیم الشان اجتماع دنیا کو یہ پیغام دیتا ہے کہ انسانی مساوات کا اصول ہر جگہ اور ہر وقت قابل عمل ہے۔

یوں تو تمام عبادات میں انسانی مساوات کا عنصر پایا جاتا ہے، جیسا کہ نماز جہاں منبع خیر وبرکت اور بے شمار فوائد کا ذریعہ ہے، وہیں انسانی مساوات کا اعلیٰ ترین مظہر بھی ہے کہ تمام مصلیان بلاتفریق رنگ ونسل ایک امام کے تابع ہوکر اس کی اقتدا کرتے ہیں، امام قیام میں ہوتا ہے تو مقتدی بھی قیام کرتے ہیں، امام رکوع، سجود وتشہد کرتا ہے تو مقتدی بھی اسی عمل کو انجام دیتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت میں حاضر ہو جب امام قیام کے علاوہ کسی دوسرے رکن میں ہو تو اس کو قطعاً اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ قیام میں ہوکر ثنا وفاتحہ کی تلاوت کرے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ امام جس حال میں ہو اسی حالت میں ہوجائے، روزہ بھی انسانی مساوات کا عظیم ترین علم بردار ہے کہ تمام روزے دار طلوع سحر سے اپنے روزے کا آغاز کرتے ہیں اور غروب آفتاب پر اختتام کرتے ہیں، اسی طرح زکوٰۃ اخوت ومساوات اور ایثار وقربانی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، اس کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے کے تعاون اور امداد کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور لوگوں کے زخموں پر مرہم پٹی کرنے کی توفیق ہوتی ہے، اس کے ذریعے سے ایک غریب بھائی کے تئیں مالدار کے ذہن ودل میں یہ جذبہ بیدار ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کرکے اس کی مالی حالت کو مستحکم اور پائیدار بنائے تا کہ وہ بھی سماج ومعاشرے میں عزت کے ساتھ زندگی گزار سکے۔

حج وحدت امت کی علامت اور انسانی مساوات کا سب سے بڑا آئینہ دار اور نمونہ ہے، جو مسلمانان عالم کو بلا امتیاز تفریق رنگ ونسل ایک پرچم تلے متحد کردیتا ہے، مختلف زبانوں کے بولنے والے حدود ومیقات سے تجاوز کرنے سے قبل اپنے تمام قیمتی ملبوسات سے بے نیاز ہوکر دوسفید چادروں میں ملبوس ہوجاتے ہیں اور تمام لوگ اپنے قومی وملکی ترانوں کو فراموش کرکے توحید کے ترانہ لبیک اللہ۔ **لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک** کی صدا لگاتے ہیں، مکہ پہنچ کر ایک ساتھ طواف کرتے ہیں، صفا ومروہ کی سعی کرتے ہیں، حلق وتقصیر کراتے ہیں، اس کے بعد ایک ہی دن تمام حجاج منی کا رخ کرتے ہیں اور یوم الترویہ کو سارے حجاج منی میں گزارتے ہیں، اس کے بعد تمام مناسک یکے بعد دیگرے ادا کرتے ہیں، ضیوف الرحمٰن کا عرفہ کی طرف کوچ کرنے، وقوف اور وہاں سے ایک ساتھ نکلنے کا روح پرور منظر جہاں ایک مسلمان کے لیے قابل دید اور باعث سکون واطمینان ہوجاتا ہے وہیں یہ مسلمانوں کی وحدت اور انسانی مساوات کا اعلیٰ ترین جوہر ونمونہ بھی ہوتا ہے۔

حج کے لیے مسلمانوں کا ایک جگہ جمع ہونا، اتحاد کی طاقت کو ظاہر کرتا ہے، کیوں کہ حج دراصل اللہ کے بندوں کا ایک کلمہ کے تحت عظیم ترین اجتماع ہوتا ہے اور یہ عظیم اجتماع ایک دوسرے کے ساتھ نیکیوں میں تعاون کرنے، ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کا بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔ یہ اتحاد نہ صرف روحانی ترقی کا باعث بنتا ہے بلکہ دنیا میں امن ومحبت کے قیام کی بنیاد بھی ہے۔ اس کے فوائد کا شمار کرنا ممکن ہی نہیں ہے، لیکن ان سب فوائد کا ایک ہی مقصود ومطلوب ہے اور وہ ہے دین ودنیا کے امور کی اصلاح اور امت اسلامیہ کی مضبوطی، تجدید عہد وپیمان، کمزور تعلقات میں تقویت اور شکستہ دلوں کو جوڑنا۔ درحقیقت حج کے تمام شعائر اس اخوت وبھائی چارہ کے تحفظ کا ذریعہ ہیں جسے اللہ رب العالمین نے یوں واضح فرمایا ہے: **انما المؤمنون اخوة** (الحجرات:۱۰) مومن لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔ اور حج اس اخوت اور بھائی چارے کو تحفظ عطا کرتا ہے تا کہ وحدت امت کی یہ عمارت زمانے بھر کی عداوتوں اور تخریب کاروں کی نظروں کے سامنے پوری شان وشوکت سے کھڑی رہے۔

بہرحال حج کے دوران میدان عرفات میں تمام حجاج وقوف عرفہ ایک ساتھ کرتے ہیں اور ایک ساتھ اپنے گناہوں پر پشیمان ہوکر غفور ورحیم رب سے معافی مانگتے ہیں جس پر اللہ سب کو یک بارگی معاف فرمادیتا ہے۔ وحدت ومساوات کی ایک مثال یہ بھی لائق ملاحظہ ہے کہ جس طرح حجاج کا عرفات میں دخول اور وقوف ایک ساتھ ہوتا ہے بعینہ خروج بھی ایک ساتھ ہوتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ وہ حدود عرفہ سے مغرب سے پہلے نکل جائے اور یہ بھی مجال نہیں کہ مغرب کی نماز عرفہ میں پڑھ لے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ حاجی بوقت مغرب عرفہ سے نکل کر مزدلفہ کا رخ کرے اور

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

مولانا محمد طیب، پچھ

اسلام کے پانچ ارکان

خاکسار کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اسلام کے ارکان کا کچھ مختصر بیان کیا جائے تاکہ قارئین فائدہ اٹھائیں۔ کیونکہ بعض لوگ باوجود دعوئے اسلام کے ان سے بے خبر اور غافل رہتے ہیں۔ افسوس۔

اول ہر مسلمان کو اس بات کا یاد رکھنا لازم ہے کہ سب سے بہتر راہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ ورسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو اصل رکھے اور اسی کی سند پکڑے اور اپنی عقل کو کچھ دخل نہ دے۔

اے میرے پیارے بھائیو! اسلام کے پانچ ارکان ہیں جس کا مجموعہ کنزرح ہے (ک) سے مراد کلمہ (ن) سے نماز (ر) سے روزہ (ز) سے زکوۃ (ح) سے حج۔

وھو ھکذا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما علی خمس شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ والحج وصوم رمضان (متفق علیہ) مشکوۃ

''یعنی روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنا کیا گیا اسلام پانچ باتوں پر۔ اول شاہدی دینا اس بات کی کہ نہیں ہے کوئی لائق بندگی کے سوائے خدا پاک کے اور تحقیق محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم بندے ہیں اس کے اور بھیجے ہوئے ہیں اس کے اور قائم کرنا نماز کا اور دینا زکوۃ کا اور حج اور روزہ رمضان کا۔ روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے۔

جاننا چاہیے کہ بندگی کی دو قسم کی ہے بدنی ومالی۔ بدنی عبادت جیسا کہ نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، حج کرنا، طواف کرنا، خدا سے مدد مانگنا۔ مشکل کے وقت خدا کو پکارنا۔ **وامثلہ کذالک**۔ اور مالی عبادت جیسا کہ زکوۃ دینا۔ صدقہ دینا۔ نذر کرنا۔ یتیموں مسکینوں کی مالی امداد کرنا **وامثلہ کذلک**

تو یہ کام سب خدا ہی کے لئے کرنا چاہیے۔ اگر کسی بندہ کے لئے کرے گا تو گویا اس نے خدائے پاک سے شرک کیا اور شرک کے بارے میں وعید سخت قرآن شریف میں وارد ہیں۔ جیسا کہ خدائے پاک سورہ نساء میں فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء:۱۱۶) ''یعنی بیشک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شریک ٹھہرا دے اس کا اور بخشتا ہے ورائے اس کے جس کو چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا سو بیشک راہ بھولا دور بھٹک کر۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک بہت بری چیز ہے اور اس سے ایسا بھاگنا چاہیے جیسا کہ کوا بندوق سے بھاگتا ہے۔ مگر افسوس آج کل بہت مسلمان اس پھندے میں پھنس رہے ہیں۔ نیز پھنس جانے کا سبب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ ورسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول چھوڑ کر اقوال رجال وخواب وجھوٹی کہانیاں اور جھوٹے قصوں کے متبع بن گئے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو راہ مستقیم سے ہرگز دور نہ پڑتے کیونکہ بہت رسمیں شرک کی فی الحال مسلمانوں میں رائج ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ پیروں اور اماموں کو اور شہیدوں اور فرشتوں اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مراد مانگتے ہیں اور ان کی منتیں مانتے ہیں اور حاجت براری کے لئے ان کی نذر ونیاز کرتے ہیں اور بلا کے ٹلنے کے لئے اپنے بیٹوں کو ان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ کوئی اپنے بیٹے کا نام علی بخش رکھتا ہے کوئی حسین بخش کوئی پیر بخش کوئی مدار بخش کوئی غلام محی الدین اور ان کے جینے کے لئے کوئی کسی کے نام کی چوٹی رکھتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بدھی پہناتا ہے، کوئی کسی کے نام کے کپڑے پہناتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے، کوئی کسی کے نام کا جانور کرتا ہے کوئی مشکل کے وقت کسی کو پکارتا ہے کوئی اپنی باتوں میں کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے۔

غرضیکہ ہندو جو کچھ اپنے بتوں سے کرتے ہیں۔ وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان اولیاء اور قبروں سے کر گزرتے ہیں اور دعوے مسلمانی کئے جاتے ہیں۔ غرضیکہ بہت مسلمان شرک کی رسمیں کرتے ہیں جن کے خلاف مع دلائل قرآن شریف واحادیث میں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں طوالت کے ڈر سے درج نہیں کیا۔ اگر کسی کو ضرورت ہو تو کسی نیک عالم سے پوچھ لے سب پتہ مل جائے گا۔

اب جاننا چاہیے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی خدائے پاک کے بھیجے ہوئے ہیں خلقت کی طرف تاکہ ان کو سیدھی راہ پر لادیں۔ اور خدا کے بندوں کو بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری فرض ہے کیونکہ ان کی تابع داری موجب رحمت وبرکت ہے۔ خدائے پاک نے قرآن شریف میں حضور انور کو رحمۃ للعالمین کا خطاب عطا فرمایا۔ اور حضور انور کا رتبہ بہت بلند کیا۔ نیز حضور انور کی تابعداری خود اللہ جل جلالہ کی تابعداری ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا (النساء:۸۰) اور حضور انور کا کلام بھی خود اللہ پاک کا کلام سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم:۴)

پھر بھی افسوس کہ ہم مسلمانی کا دعوے کر کے ایسی برگزیدہ پیغمبر کے قول وفعل کو چھوڑ کر کوسوں دور ہو گئے۔ تاسف برتاسف۔ یاالٰہی ہم سب مسلمانوں کو سیدھی راہ پر رکھ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور سچا شیدا بنادے۔ آمین

دوسرا رکن اسلام کا نماز ہے جس کی تاکید قرآن شریف میں بار بار آئی ہے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے۔

عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بین العبد وبین الکفر ترک الصلوة. داؤد، مسلم (مشکوۃ) ''جابر رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فرق بیچ بندہ اور بیچ کفر کے چھوڑ نا نماز کا ہے روایت کیا اس کو مسلم اور داؤد نے۔''

اب جاننا چاہیے کہ حضور انور فداہ امی وابی نے مسلمان کو بندہ کہا کیونکہ بندہ کا کام ہے خدا کی ہی بندگی کرنی اور نماز بھی خدا کی بندگی ہے اور نماز میں جو رکوع وسجود ہیں وہ بھی خدا کی بندگی ہے پھر اگر کوئی شخص خدا کے سوا اور کے سامنے سر جھکائے تو اس نے اسی کی بندگی کی اور خدا سے شرک کیا تو اس بات سے ضرور احتیاط رکھنا چاہیے کیونکہ بعض آدمی نماز پڑھ کر پھر بغداد کی طرف رخ کر کے گردن میں کپڑا ڈال کر سر جھکاتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہے کہ کسی عمدہ شئے کا عطر نکال کر پھر اس میں بدبودار شئے ڈالا جائے تو کیا محنت برباد گنہ لازم نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

مسلمانو! ذرا سوچو شرکت وبدعت سے کوسوں دور رہو سنت کو مضبوط پکڑو۔ نماز کو آہستہ آہستہ باخشوع وخضوع واخلاص وعجز ونیاز سے باجماعت لگا تار پڑھتے رہو۔ کیونکہ نماز موجب رحمت وبرکت ہے۔ الٰہی ہم سب کو اپنی بندگی اور نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تیسرا رکن اسلام کا روزے رمضان کے ہیں جن کا بیان پارہ دوم رکوع ۷ میں موجود ہے ہر مسلمان پر رمضان کے روزے فرض ہیں نہایت سرور وخوشی سے ان کو ادا کیا جائے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: فی الجنة ثمانیة ابواب منها باب تسمی الریان لا یدخله الا الصائمون متفق علیه (مشکوۃ شریف)

یعنی سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت میں آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ کا نام ریان ہے نہ داخل ہوں گے اس میں مگر روزہ دار۔ روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے۔ اور اعتکاف بیٹھنا اس ماہ میں سنت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف بھی بندگی ہے اور خدا کے لئے ہی بیٹھا جاتا ہے اس لئے مساجد میں بیٹھتے ہیں بعض لوگ پیروں کے مزاروں پر اور قبروں پر جا کر اعتکاف بیٹھتے ہیں۔ یہ فعل ان کا قبیح (غیر اسلامی) ہے۔ اس سے احتیاط بہتر ہے۔

چوتھا رکن اسلام کا زکوۃ ہے جو ہر مالدار پر فرض ہے جس کا بیان بار بار قرآن شریف واحادیث میں موجود ہے۔

جاننا چاہیے کہ زکوۃ بھی خدائے پاک کی مالی بندگی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس طرح چالیسواں حصہ پیروں کا نکالتے ہیں وہ گویا شرک کرتے ہیں۔

پانچواں رکن اسلام کا حج ہے جس کا بیان طوالت کے باعث موقوف کیا جاتا ہے۔ مزید حالات دریافت کرنے کے لئے کسی معتبر عالم سے پوچھ لیں۔

والصلوة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین ورحمة للعالمین وشفیع المذنبین وعلی آله واصحابه اجمعین.

(بشکریہ: اہل حدیث امرتسر ۷رصفر ۱۳۴۹ھ مطابق ۴رجولائی ۱۹۳۰ء)

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۹ کا)

وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز جمع اور قصر کے ساتھ پڑھے۔ اس کے بعد سارے لوگ ایک ساتھ مزدلفہ میں رات گزاریں صبح وہاں سے منی کا قصد کریں اور یوم النحر کے اعمال ایک ساتھ انجام دیں۔ حج کے احرام میں ایک ساتھ سبھی داخل ہوتے ہیں اور ایک ہی ساتھ سب اس سے آزاد ہوتے ہیں۔ سنت کے مطابق یوم النحر کو صرف جمرہ عقبہ کو کنکری زوال سے قبل ماری جائے تو سب کے لیے یہی حکم ہے اور ایام تشریق میں زوال کے بعد تینوں جمرات کو کنکری ماری جائے گی۔ اس طرح سے ساری لوگوں کو یہی حکم ہے چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو غریب، شاہ ہو یا گدا کوئی بھی ہو سب کو یہ حکم ہے کہ وہ اسی ترتیب کے ساتھ اپنی کنکریاں ماریں۔ اسی طرح حجاج کرام جب مناسک حج کی ادائیگی سے قبل وبعد میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہوتے ہیں تو حرمین کے محترم ائمہ کی اقتدا میں مسلکی اختلافات کو بھلا کر نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے علاوہ حج کے موقع پر قدم قدم پر وحدت امت اور مساوات انسانی کی اعلیٰ ترین مثالیں مشاہدہ میں آتی ہیں جن کو ہر کوئی محسوس کرتا ہے۔ بطور خلاصہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حج انسانی مساوات کا ایک منفرد نمونہ ہے جو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ محبت، بھائی چارہ اور احترام کے ساتھ رہنا چاہیے۔ یہ عبادت نہ صرف روحانی بلندی کا ذریعہ ہے بلکہ یہ دنیا بھر میں انسانی مساوات کا پیغام بھی دیتی ہے۔ حج کے ذریعے ہم ایک ایسی دنیا کی تشکیل کی کوشش کرتے ہین کہ جہاں سب افراد کو یکساں حقوق اور احترام حاصل ہو، اور جہاں انسانیت کی خدمت کی جائے۔ اس طرح، حج ایک روحانی سفر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک معاشرتی پیغام بھی ہے جو ہم سب کو باہمی محبت اور تعاون کی طرف راغب کرتا ہے۔

☆☆☆

مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹیؒ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے

معجزۂ شق القمر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند کا دو ٹکڑے ہونا یقیناً واقع ہوا۔ جو روایات متواترہ اور اسانید صحیحہ سے ثابت ہے، اور علمائے امت بالاجماع متفق ہیں۔ کہ معجزۂ شق القمر ضرور ظہور پذیر ہوا۔ اور یہ حضورؐ کے معجزات قاہرہ میں ایک معجزہ تھا۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ (القمر:۱-۳)

''نزدیک آئی قیامت اور پھٹ گیا چاند، اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی (معجزہ) منہ پھیر لیویں، اور کہیں یہ جادو ہے چلا آتا۔ اور جھٹلایا انہوں نے (معجزہ) اور چلے اپنی خواہشوں پر اور ہر کام (کا وقت) ٹھہرا ہوا ہے۔''

قریب آ گئی قیامت اور حالانکہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ یعنی چاند کا دو ٹکڑے ہونا قرب قیامت کی نشانی ہے، تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ جو ہجرت سے پانچ برس پہلے مکہ والوں کی درخواست پر ظہور میں آیا۔

ایام حج میں منیٰ کے مقام میں ابوجہل وغیرہ کفار نے لوگوں کو گمراہ کرنے اور سیدھے راستہ سے روکنے کے لئے کہا۔ کہ اگر یہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم تمہاری نبوت پر ایمان لے آئیں گے، حضورؐ کی بہت آرزو تھی کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں اور دوزخ سے بچ جائیں۔ اس لئے آپ نے دعا فرمائی اور انگلی سے اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور ہر ایک ٹکڑا علیحدہ علیحدہ تھا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ سنایا۔ اور آفتاب قریب غروب کے ہو گیا کہ اس سے فقط ایک کنارہ باقی رہا تھا۔ پس آپ نے فرمایا۔ قسم ہے اس پاک اللہ عزوجل کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ (سنو!) دنیا میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے، وہ گزرے ہوئے زمانے سے ایسی ہی نسبت رکھتا ہے، جیسے تمہارے اس دن میں سے یہ حصہ باقی ہے انسؓ نے کہا کہ ہم لوگ اس وقت آفتاب کو بہت خفیف دیکھتے تھے۔ (ابن کثیر)

مطلب یہ ہے کہ چاند کا پھٹنا قرب قیامت کی نشانی ہے، چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور قیامت اب اتنی قریب آ گئی ہے کہ جیسے سارا دن گزرنے کے بعد سورج غروب کے بالکل قریب ہو جاتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ اب جلد ڈوب جائے گا۔ یعنی زمانے کا اکثر حصہ گذر چکا ہے۔ عصر کا وقت آ گیا ہے۔ لہٰذا قیامت سر پر سمجھو!

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے خطبہ سنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس طرح خطبہ سنایا تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا کہ تم آگاہ ہو کہ دنیا نے اپنے منقطع ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ اور اپنی پیٹھ پھیر لی ہے۔ اور اس میں صرف ایک ٹپہ باقی رہ گیا ہے، جیسے کھانے کے بعد آدمی اپنا برتن پونچھتا ہے، اور تم لوگ اس دنیا سے ایسے جہاں میں منتقل ہونے والے ہو جس کو زوال نہیں ہے، پس جہاں تک تم سے ممکن ہو بہتری لے کر منتقل ہو۔ (ابن کثیر)

ابو عبدالرحمٰن السلمی نے کہا کہ ہم لوگ جہاد میں مدائن میں اترے اور ہم وہاں سے ایک فرسخ فاصلہ پر تھے کہ جمعہ کا روز آیا۔ تو میں اپنے والد کے ساتھ جمعہ کی نماز میں مدائن حاضر ہوا۔ وہاں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ہم کو خطبہ سنایا کہ اے لوگو! (سنو) اللہ فرماتا ہے۔ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ آگاہ ہو کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ اور آگاہ ہو کہ چاند دو ٹکڑے ہو چکا اور آگاہ ہو کہ آج کوشش کا دن ہے اور کل سبقت کا دن ہے۔ (ابن جریر)

مذکورہ حدیثوں میں دنیا کے جلد گزر جانے کا بیان ہے کہ دنیا کی عمر اب بالکل تھوڑی رہ گئی ہے۔ وہ بہت بوڑھی ہو گئی ہے اور کچھ وقت کی مہمان ہے، یہ کیسے پتہ چلا؟ شق القمر کے معجزے سے پتہ چلا کہ قیامت قریب ہے اور دنیا ختم ہونے والی ہے۔

چاند دو ٹکڑے ہو گیا: امام احمد، بخاری، مسلم رحمہم اللہ نے بطریق متعددہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت سے کی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہم کو معجزہ دکھلائیے، پس حضورؐ نے چاند دو ٹکڑے کر کے ان کو دکھلایا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے کوہ حرا کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں دیکھا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ (الترمذی وغیرہ)

اس روایت میں صریح ہے کہ چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان اس قدر فاصلہ تھا کہ کوہ حرا بیچ میں آ گیا۔

بخاری۔ مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ دیکھ لو۔

ابن مسعودؓ سے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت

کرنے سے پہلے میں نے مکہ میں چاند کو دو ٹکڑے دیکھا۔ ایک ٹکڑا ابوقبیس پر تھا اور دوسرا سویدا پر تھا۔ اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ

ابن جریرؒ نے دوسری اسناد سے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی کہ ہم لوگ مقام منیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پس آپ کے معجزے سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اس کے مشاہدہ کے گواہ رہو۔ (ابن جریرؒ)

ابوداؤد الطیالسیؒ نے باسناد صحیح روایت کی کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یعنی ہجرت سے قبل جب کہ اسلام ظاہر نہ تھا۔ آپ کے معجزہ سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔ پس قریش نے کہنا شروع کیا کہ محمدؐ نے ہم پر سحر کیا۔ پھر بعض لوگ کہنے لگے کہ جو مسافر آئیں ان کا انتظار کرو کیونکہ محمدؐ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ تمام جہاں پر سحر کریں۔ پھر انہوں نے انتظار کیا۔ تو جتنے مسافر آئے۔ انہوں نے یہ عجیب واقعہ (شق القمر) بیان کیا۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ نے مسلمان ہونے کے بعد جب حج کیا تو مقام منیٰ میں لوگوں سے یہ حدیث بیان کی اور لوگوں کو اشارہ سے بتلایا کہ چاند کا ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا اور دوسرا اس پہاڑ پر تھا۔ (بیہقی)

یعنی شق القمر کے وقت حضرت جبیر بن مطعمؓ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور انہوں نے اس وقت چاند دو ٹکڑے ہوتا دیکھا، اب جب مسلمان ہو گئے اور مقام منیٰ میں ہیں تو لوگوں کو بتلا رہے ہیں کہ میں نے اس مقام پر چاند کو دو ٹکڑے ہوتا دیکھا تھا، یعنی میں اس وقت یہاں موجود تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا تھا۔

الحاصل چاند کا دو ٹکڑے ہونا تواتر سے ثابت چلا آ رہا ہے۔ لیکن کفار نے از راہ عناد کہا کہ یہ جادو ہے، اور ہماری آنکھوں پر نظر بندی کی گئی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ

اور اگر دیکھیں کوئی نشانی یعنی معجزہ منہ پھیر لیں اور کہیں۔ یہ جادو ہے چلا آتا۔ یعنی سدا سے ہوتا چلا آیا ہے۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ اور جھٹلایا انہوں نے (معجزہ) اور چلے اپنی خواہشوں پر اور ہر کام (کا وقت) ٹھہرا ہوا ہے۔

یعنی کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزے کو اچھی طرح مشاہدہ کرنے کے باوجود جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشات جن کو شیطان نے دلوں میں رچایا تھا ان کے پیچھے چلے اور کہنے لگے کہ یہ جادو ہے اور ایمان نہ لائے۔ وکل امر مستقر اور اللہ تعالیٰ نے ہر بات کو مقدر فرمایا ہے۔ جن کافروں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان پیدا کرنا مقدر نہیں کیا، وہ اس کو ماننے والے نہ تھے بلکہ جو امر شیطان کی جانب سے ان کے دلوں میں رچ گیا۔ اسی کو اختیار کرنے والے ہوئے اس میں اہل سعادت کے واسطے بھی بشارت ہے کہ ان کے دلوں میں یہ معجزہ جم گیا پس ہر امر مستقر ہے۔ یعنی ہر امر کے واسطے جہاں استقرار مقدر فرمایا ہے وہاں مستقر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق اور ایمان نے اہل سعادت کے دل میں استقرار پایا اور اس معجزہ کی تکذیب نے کافروں کے دل میں سیاہی پھیلائی اور ہر امر اپنے اپنے موقع پر ٹھہرا۔

تو معجزہ شق القمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی رسالت پر برہان ناطق اور گواہ صادق ہے اور حضورؐ کی لامثال بزرگی، شان اور مرتبہ کے تاج میں چمکتا ہیرا ہے اور آپ کے جمال کا وہ نور ہے جس سے اہل ایمان کے سینے منور ہیں۔

رسولِ مجتبیٰ کہئے، محمدؐ مصطفیٰ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں، پھر اس کے بعد کیا کہئے
جب ان کا ذکر ہو دنیا سراپا گوش ہوجائے
جب ان کا نام آئے، مرحبا صل علیٰ کہیے
مرے سرکار کے نقشِ قدم شمعِ ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا راستا کہیے
محمدؐ کی نبوت دائرہ ہے نورِ وحدت کا
اسی کو ابتداء کہئے، اسی کو انتہا کہئے
مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
مری آنکھوں کو ماہِر چشمہ آبِ بقا کہیے

معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
(اقبالؒ)

جس طرح معجزہ شق القمر وہ اعجاز ہے کہ جس پر نہ صرف انسان ہی محو حیرت ہیں، بلکہ جنوں اور فرشتوں کا علم و طاقت بھی اس کے سامنے حیرت فروش ہیں اور جس ہستی اقدس سے خدا کا یہ فعل ظہور میں آیا۔ اس کی رسالت اور نبوت کا مقام و مرتبہ اور ذات اقدس کا بابرکت سراپا ہمہ وقت سلام وصلوۃ کا سزاوار ہے کہ ان کے وجود مقدس سے افتخار آدمیت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کا اس کی ازلی ابدی شان کے لائق شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہم انسانوں کی جنس میں سے ایک انسان کامل انسان کو چن کر اسے عبدہ

ورسولہ، بنا کر مراتب علیا کا نورانی لباس پہنا کر ہماری ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ اگر غیر بشر رسول ہوتا۔ تو ہم اس سے خاک بھی فائدہ نہ اٹھاتے نہ دنیا کا نہ دین کا۔ اس معجزوں والے بشر رسول پر بارش کے قطروں برابر درود وسلام ہو۔

بشارت دی مسیحا نے کلیم اللہ نے تیری
ہوا آمد سے پہلے شور تیری آمد آمد کا

واقع معراج کے سامنے عقلیں عاجز ہیں: عروج کے معنی ہیں اوپر چڑھنا اور معراج اوپر چڑھنے کا آلہ۔ یعنی سیڑھی۔ یعنی معراج حضور انور کے لئے سیڑھی ہے، جس پر سے آسمانوں پر چڑھے اور معراج کے متعلق مشہور یہ ہے کہ بارہویں سال نبوت کے ستائیسویں رجب کو ہوئی تھی۔

واضح ہو کہ مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک اسراء ہے اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک معراج ہے۔ یہ اسراء اور معراج، قرآن اور اس کا کافر، گمراہ اور بدعتی ہے اور معراج جاگتے میں جسم مبارک کے ساتھ ہوئی تھی معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے جو کسی پیغمبر کو نہیں دیا گیا۔

اگر کوئی کہے کہ عقل نہیں مانتی کہ چند لمحوں میں مکہ سے مسجد اقصیٰ اور مسجد اقصیٰ سے ساتویں آسمانوں سے بہت بہت آگے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے بھی بہت اوپر چلے جانا اور پھر اللہ سے باتیں کرنا جنت کی سیر اور دوزخ کو ملاحظہ کر کے واپس آجانا، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ محیر العقول واقعہ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود سرانجام نہیں دیا۔ بلکہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے خود آپ کیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

سُبۡحَانَ الَّذِیۡ أَسۡرَی بِعَبۡدِہِ لَیۡلاً مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ إِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡأَقۡصَی الَّذِیۡ بَارَکۡنَا حَوۡلَہُ لِنُرِیَہُ مِنۡ آیَاتِنَا إِنَّہُ ہُوَ السَّمِیۡعُ البَصِیۡر (بنی اسرائیل:۱) ''وہ اللہ (عجز اور درماندگی سے) پاک ہے۔ جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا۔ جس کے گرداگرد ہم نے (دنیا اور دین کی) برکتیں دے رکھی ہیں تاکہ ہم ان کو (اپنی قدرت کے) نمونے دکھائیں، بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

تو اسریٰ کے معنیٰ ہیں۔ اللہ لے گیا۔ یعنی معراج کا سارا واقعہ اللہ نے خود آپ سرانجام دیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ اب اس بارے میں نہ تعجب کرنا چاہیے اور نہ عقل کے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے گمراہی کے میدان میں دوڑانا چاہیے، جو بات قرآن اور حدیث سے یعنی خدا اور رسولؐ کی زبان سے ثابت ہو جائے اسے فی الفور مان لیں اور اس پر ایمان اور عقیدہ مضبوط کر لیں۔ اگر عقل مداخلت کرے، تو اسے تنہا چھوڑ کر اللہ اور رسولؐ کی محبت کے دریا میں تیرے نے لگ جائیں۔ اقبال مرحوم نے یہی بات سمجھائی ہے۔ حدیث سے ثابت ہے۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

یعنی اخبار غیب ہوں، معجزات ہوں، واردات وحی ہوں۔ صدق دل سے ایمان لاؤ۔ اور اگر عقل کہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو عقل کی پاسبانی سے کنارہ کر کے وحی کے فرمودات سے ہم آغوش ہو جاؤ۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آتش نمرود میں ڈالنے لگے۔ تو عقل نے کہا کہ آگ میں گرنے کا انجام جل جانا ہے۔ عقل لب بام کھڑی یہ سوچ ہی رہی تھی۔ کہ عشق بے خطر آگ میں کود پڑا۔ یعنی ایمان نے اللہ کی محبت کے جوش میں آگ میں چھلانگ لگا دی اور عقل لب بام یہ تماشا دیکھتی رہی۔ تو مطلب یہ ہے کہ عقل بے شک ایک نور ہے۔ قرآن میں اس کی تعریف آئی ہے۔ لہٰذا تمام دین و دنیا کے کاموں میں عقل سے کام لینا چاہیے۔ بے عقل لوگ قابلِ مذمت ہیں۔ اور عقل مند قابل تعریف ہیں۔ عقل سے گمراہی کی بے شمار گتھیاں سلجھتی ہیں۔ عقل مند قومیں کہکشاں گیر ترقیاں کرتی ہیں۔ سائنس کی لاکھوں ایجادیں عقل کی مرہون منت ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ عقل مخلوق ہے۔ مغیبات خداوندی۔ اسرار الٰہی، وحی کے اعجاز، اور معجزات اس کے تابع نہیں ہیں۔ اور نہ یہ ان کا احاطہ کرسکتی ہے، اس لئے ان پر عقل سے مشورہ کئے بغیر ایمان لانا چاہیے۔ اگر آپ عقل کے کہنے پر معجزات کا انکار کر دیں گے۔ تو ایمان برباد کر لیں گے۔ اقبال مرحوم نے کیسے دلکش انداز میں یہ بات بیان کی ہے۔

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے؟ چراغِ رہگذر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغِ رہگزر کو کیا خبر ہے

مسافر سفر میں عقل کے باعث روشن بصر ہے۔ عقل ہی راہی کی بصارت کا نور ہے، تو پھر عقل کیا ہے؟ چراغ رہ گذر ہے۔ راستے کا چراغ ہے۔ لیکن اس چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے کہ درونِ خانہ کیا کیا ہنگامے ہیں؟ درونِ خانہ ہنگاموں سے مراد اسرار الٰہی، اخبار غیب، وحی کی واردات اور معجزات ہیں۔ عقل کو ان درون خانہ ہنگاموں کی کچھ خبر نہیں۔ ان درونِ خانہ ہنگاموں کی خبر وحی سے ملتی ہے، اور وحی قرآن ہے۔ اور حدیث رسولؐ ہے، پس جو اخبارِ غیب، معجزات اور خرق عادت باتیں قرآن اور حدیث سے ثابت ہوں۔ عقل کی پرواکئے بغیر ان پر ایمان لے آنا چاہیے، اگر

(بقیہ صفحہ ۲۱ پر)

تلخیص وترجمانی: مولانا محمد محب اللہ المحمدی

استقامت وثبات قدمی کے دس قواعد (۲)

محترم قارئین فتنے ہمہ گیر ہیں۔ صحیح راہ اور درست راستہ سے بھٹکانے، گمراہ کرنے کے اسباب وذرائع لاتعداد ہیں۔ رکاوٹیں بھی بہت زیادہ ہیں۔ استقامت وثبات قدمی کے اصول وضوابط اور قواعد کا ذکر کیا جارہا ہے تاکہ فتنوں کی کثرت کے اس زمانے میں راہ حق کی رکاوٹوں کو بالائے طاق رکھ کر راہ حق اور صراط مستقیم پر جمے وڈٹے رہیں۔ جیسا کہ بعض صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جامع ومفید نصیحت طلب کی تاکہ استقامت وثبات قدمی حاصل ہو اور ہر طرح سے راہ حق کی رکاوٹوں کو دور کرکے صراط مستقیم پر گامزن رہیں۔

سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، یارسول اللہ! آپ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتلائیں کہ آپ کے بعد مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے؟ فرمایا: (**قل آمنت بالله ثم استقم**) ''کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر خوب ثابت قدم رہ۔'' [صحیح مسلم، الایمان، باب جامع الاوصاف الاسلام: ۸۳] آمنت باللہ۔ یہ ایک عہد وپیمان ہے جس کا معنی ہے، میں نے اللہ تعالی کے ہر حکم ہر ہدایت کو دل وجان سے مان لیا اور دین اسلام پر عمل کرنے کی ذمہ داری کو قبول کرلیا۔

استقامت: استحکام وپختگی اور مضبوطی سے جم جانا، ڈٹ جانا، استقلال و پامردی دکھانا۔ اس لیے استقامت کا تقاضا ہے کہ انسان اس اقرار اور معاہدے سے انحراف اختیار کیے بغیر زندگی بھر اسلام کے احکام کی پابندی اور التزام کرے، ہر قسم کے گرم، سرد حالات، کڑے سے کڑے اور مشکل سے مشکل مرحلہ میں اس کے پائے استقامت میں ضعف، اضمحلال نہ آئیں اور کسی مرحلہ پر بھی اس کے پاؤں نہ ڈگمگائیں۔ اس لیے امام ابو القاسم قشیری نے لکھا ہے: کہ استقامت درجہ ہے، جس کے نتیجہ میں تمام کام، کامل طریقہ پر سرانجام پاتے ہیں تمام نیکیاں اور بھلائیاں وجود میں آتی ہیں جس شخص میں استقامت واستقلال نہ ہو اس کی ہر کوشش رائیگاں جاتی ہے۔ (شرح مسلم نووی: 1/48) (تحفۃ المسلم شرح صحیح مسلم، صفحہ 159)

استقامت وثبات قدمی کے وسائل۔ استقامت وثبات قدمی کے بہت سارے وسائل ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ قرآن مجید وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حد رجہ شغف اور اس پر تدبر وتفکر اور عمل۔ اتباع سنت اور سلف صالحین کے طریقے کو لازم پکڑنا۔ انبیاء علیہم السلام کی سیرت، قصص وواقعات اور خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پڑھنا اور آپ کے احوال زندگی، صبر واستقامت اور مختلف مراحل حیاۃ کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا۔

علماء حق کی مجلسوں میں شرکت کرنا اور جمعیت وجماعت سے ربط رکھنا۔ باطل واہل باطل کی حقیقت کی معرفت حاصل کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ باطل کو پسپائی مقدر ہے۔ صبر وشکر کی صفت پیدا کرنا اور راہ پر استقامت حاصل کرکے ثواب واجر کی امید رکھنا اور عجلت بازی سے بچنا سنجیدگی اور متانت کو اختیار کرنا۔ دنیا کی حقیقت کو سمجھنا اور آخرت پر مکمل ایمان واعتقاد رکھنا اور موت کو یاد کرنا وغیرہ وغیرہ۔

ذیل کے سطور میں شیخ عبدالرزاق البدر حفظہ اللہ کی کتاب **عشر قواعد فی الاستقامة** سے استقامت وثبات قدمی کے مزید کچھ اصول وقواعد کا ذکر کیا جارہا ہے۔

پانچواں قاعدہ۔ استقامت کا تعلق قول وعمل اور نیت وارادہ سے ہے۔

یعنی استقامت کا رشتہ انتہائی قوی ہے قول وقرار، عمل وحرکات وارداہ سے، بندہ سے مطلوب ہے کہ ان کی گفتگو میں استقامت ہو، ان کے اعضاء وجوارح کے حرکت وشغل میں استقامت ہو، ان کے ارادوں ونیتوں میں استقامت ہو، امام ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مدارج السالکین میں فرمایا۔ استقامت کا تعلق اقوال وافعال، احوال وکوائف وارادہ سے ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لا يستقيم ايمان عبد حتى يستقيم قلبه ولا يستقيم قلبه حتى يستقيم لسانه**۔ کسی آدمی کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کا دل درست نہیں ہوتا اور کسی کا دل اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا، جب تک اس کی زبان راہ راست پر نہیں آجاتی۔

ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دل میں استقامت کی صفت پیدا ہونے کے بعد سب سے اہم چیز بدن کے حصے میں زبان میں استقامت پیدا ہونا ہے، اسلئے کہ زبان دل کا ترجمان ہے جو دل میں کھٹکتی ہے زبان اس کو تعبیر کا جامہ پہناتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم صفحہ نمبر 386)

گزشتہ سطور سے یہ بات مترشح ہوگئی کہ استقامت کے باب میں زبان اور دل کتنا اہم ہے، اگر زبان میں کجی اور دل میں بگاڑ ہے تو کوئی بھی بندہ استقامت وثبات قدمی کے اوصاف سے متصف نہیں ہوسکتا۔ دل اور زبان انتہائی اہم رول ادا کرتے ہیں بندہ کو صراط مستقیم پر چلانے اور راہ ہدایت پر گامزن رکھنے کے لئے، جسم کے درست یا خراب ہونے کا اصل مرکز دل ہے۔ کیونکہ سارے اعضاء دل ہی کی بات مانتے ہیں، دل کہتا ہے تو ہاتھ اٹھ جاتا ہے، آنکھ کھل جاتی ہے پاؤں چل پڑتے ہیں اور

اگر وہ کہتا ہے تو آنکھ بند ہو جاتی ہے ہاتھ نیچے ہو جاتا ہے اور پاؤں رک جاتے ہیں۔ دل کسی چیز کی خواہش کرتا ہے تو عقل اس کے جواز کے دلائل کا انبار لگا دیتی ہے اگر نفرت کرتا ہے تو دوسری جانب کی دلیلیں نکال لاتی ہے۔ظاہری و باطنی طور پر اعضاء و جوارح کی صحت وسلامتی اور فساد و بگاڑ میں دل کا کلیدی کردار ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے ''المرء بأصغريه قلبه ولسانه'' کہ آدمی دو انتہائی چھوٹی چیز یعنی دل اور زبان سے جانا پہچانا جاتا ہے، یعنی انسان کا مقام اور رتبہ انھیں دو چیزوں سے متعین ہوتی ہے۔ دل کیسا ہے اور زبان کیسی ہے۔غور کریں زبان اور دل بدن کا کتنا چھوٹا سا ٹکڑا ہے لیکن ان دونوں کے اثرات ہمہ گیر ہیں ، زبان اور دل کے تابع وفرمابردار ہے بدن کے مکمل دوسرے پارٹ وحصے، جب زبان اور دل میں استقامت آجاتی ہے تب پورا جسم بھی استقامت اختیار کر لیتا ہے ، زبان اور دل کے انہیں اثرات کو حدیث کے اندر بھی بیان کیا گیا ہے، دل کے سلسلے میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو سارا بدن درست ہوگا اور جہاں بگڑا سارا بدن بگڑ گیا۔ سن لو وہ ٹکڑا آدمی کا دل ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلاح وفساد کا دارومدار انسان کے دل پر ہے۔

یعنی جس شخص کے دل میں بگاڑ ہوگا اس کے دیگر اعضاء سے صادر ہونے والے اعمال بھی اس کے آئینہ دار ہوں گے۔اس کے ساتھ ایمان کا تعلق ہے اور یہی محل نیت ہے۔حلال وحرام اور مشتبہات میں فیصلے کے لیے بھی دل ہی رہنمائی کرتا ہے، لہٰذا اسے درست رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اگر دل درست ہے تو پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات اور انتہائی گنجلک مسائل میں بھی دل استقامت وثبات قدمی کی رہنمائی کرتا ہے اور قدم کولڑکھڑانے سے روکتا ہے اور صحیح ٹریک پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے، طبی لحاظ سے بھی اعضاء کی صحت وسقم کا مدار دل پر ہے۔اگر اس میں بگاڑ آجائے تو پورا نظام جسم بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔صلاح قلب کی صورت یہ ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل چیزیں پیدا ہو جائیں: اللہ کی محبت اور اس کی معرفت، تقدیر کے ہر فیصلہ پر رضامندی، قرآن سے شغف، توکل علی اللہ، صبر وشکر، رجا وخوف، فکر آخرت، توبہ وانابت اور قناعت وتواضع۔

فساد قلب کی صورت یہ ہے کہ اس میں درج ذیل اشیاء آجائیں، قساوت قلبی، عقیدہ صحیحہ سے دوری، تکبر وغرور، خود پسندی، حسد وحقد، حب مال وجاہ، بخل وحرص، لمبی امیدیں، زیادہ کھانا، زیادہ ہنسنا اور لایعنی گفتگو۔

اور استقامت وثبات قدمی کے حصول کے لئے زبان کا کتنا اثر ہے اس تعلق سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔انسان جب صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء زبان کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔تو ہمارے سلسلے میں اللہ سے ڈر اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی رہی تو ہم سب سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم سب بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

اس حدیث میں زبان کو سارے اعضاء کے سدھار کا مرکز بتایا گیا ہے، چونکہ زبان دل کا ترجمان ہے زبان دل کا غلام ہے دل زبان کو کوئی حکم کرتا ہے تو زبان اس کو نافذ کرتا ہے، اور پورا جسم زبان ودل کے اشاروں وحکموں کا بندہ وغلام ہے، اس لئے واجب ہے کہ ہر مسلمان اصلاح قلب کی فکر اور رب سے دعا کرے کہ دل کی بیماریوں (فساد قلب، قساوت قلب، وغیرہ) سے انہیں نجات دے پھر اپنی زبان کی اصلاح کی کوشش کرے تمام اعضاء انسانی میں دل وزبان کو رہنما اور لیڈر کی حیثیت حاصل ہے اور ظاہری بات ہے جب رہنما راہ راست سے بھٹکے گا تو اس کا انجام بھی اتنا ہی بھیانک اور خطرناک ہوگا۔

چھٹا قاعدہ۔استقامت صرف اور صرف اللہ تعالی ہی کے لئے اخلاص اور اسی سے استعانت طلب کرتے ہوئے صراط مستقیم پر چلنا ہے۔

بالفاظ دیگر استقامت وثبات قدمی تین چیزوں کا نام ہے۔

1۔ للہ۔یعنی اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ بندہ استقامت اختیار کرا نتہائی خلوص اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی رضاء کے لئے اور ثواب وجزاء کی امید کرتے ہوں صراط مستقیم اور نہج قویم پر چلے اور عامل کتاب وسنت بنے ، اور اس میں کسی طرح کا دکھاوا ، ریا ونمود نا ہو بلکہ صرف اور صرف اللہ کے لئے ہو جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البينة:٥)

ترجمہ۔انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا، کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں،

2۔ وباللہ۔یعنی استقامت کو متحقق کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگے اسی سے استعانت طلب کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کئے بغیر استقامت حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی بندہ صحیح راستہ کی رہنمائی حاصل کرسکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (سورہ ھود:123)

ترجمہ۔پس تجھے اس کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں،

اور صحیح حدیث میں بھی ہے۔احرص علی ما ینفعک واستعن بالله۔ جس چیز سے تمہیں (حقیقی) نفع پہنچے اس میں حرص کرو اور اللہ سے مدد مانگو،

3۔علی امر اللہ۔یعنی اللہ تعالیٰ نے جس راستہ اور طریق کی طرف چلنے کا حکم دیا ہے اسی پر چلے اور اسی طریق پر چلنے میں استقامت کو اپناؤ۔اور اس میں کسی طرح کی کجی اور ٹیڑھاپن کو نہ اپناؤ۔جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔**فاستقم كما أمرت**۔پس آپ جمے رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے،

ساتواں قاعدہ۔ اپنے عمل سے دھوکہ نہ کھاؤ چاہے جتنا بھی عمل کرو اور استقامت اختیار کرو۔

یعنی بندہ کو چاہئے کہ کثرت عبادت پر مفتخر نہ ہو،اور نہ ہی وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے دھوکہ میں پڑے کہ اس نے صلاح وتقویٰ اور عبادات وطاعات کا حق ادا کردیا اور جنت بک کرلیا۔جیسا کہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بندہ سے مطلوب تو سداد (مکمل استقامت وثبات قدمی) ہے اور اگر سداد تک رسائی نہ ہوسکے تو مقاربہ یعنی سداد کے بالکل قریب ضرور ہوجاؤ اور اگر مقاربت سے نیچے اتر گیا تو اس میں بربادی وہلاکت ہے،جیسا کہ صحیحین میں ہے ''نیک عمل کرتے وقت حد سے نہ بڑھو بلکہ قریب قریب رہو،یعنی میانہ روی اختیار کرو۔تمہیں خوشی ہونی چاہیے کہ کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا۔'' صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں؟ فرمایا: ''میں بھی مگر اس وقت جب اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور مغفرت کے سائے میں ڈھانپ لے۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ رحم وکرم عفو ومغفرت کا معاملہ نہ فرمائے تو کوئی بندہ نجات نہ پائے لہٰذا اپنے صالح عمل پر فخر نہ کرو اور نہ اس دھوکہ میں رہے کہ ہمارے لئے جنت فکس ہے۔ بلکہ اخلاص کے ساتھ مزید نیک اعمال کرے اور شرف قبولیت کی دعاء کرو،اور استقامت اختیار کرو اور رب سے عفو ومغفرت فضل وکرم کی دعاء کرو۔

آٹھواں قاعدہ۔دنیا میں استقامت اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ آخرت میں استقامت حاصل ہوگا۔اور پل صراط سے عبوری آسان ہوجائے گی۔

جسے اس دنیا میں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب ہوئی انہیں روز آخرت پل صراط سے صحیح سالم گزرنے کی توفیق بھی ملے گی۔

پل صراط جہنم پر بنا ہوا ایک پل ہے، یہ پل بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے،لوگ اس پل پر سے اپنے اعمال واستقامت کے مطابق گزریں گے، چنانچہ جو شخص دنیاوی زندگی میں نیکیاں کرنے میں تاخیر نہیں کرتا تھا بلکہ فوری کرگزرتا تھا تو وہ پل صراط سے بھی فوری گزر جائے گا،اور جو شخص تاخیر کرتا اور جس کے اعمال میں بداعمالیاں بھی شامل تھیں،اللہ تعالی نے اس کی بداعمالیوں کو معاف نہیں فرمایا ہوگا تو وہ ممکن ہے کہ جہنم میں گر جائے، پل صراط پر گزرتے ہوئے لوگوں کی مختلف رفتار ہوگی، کچھ تو پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور کچھ بجلی کی تیزی سے عبور کریں گے، کچھ ہوا کی رفتار سے، اور کچھ تیز رو گھوڑے کی طرح جبکہ کچھ اونٹ جیسی دیگر سواریوں کی رفتار میں گزریں گے، کچھ رینگتے ہوئے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جنہیں جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ پل صراط سے صرف مومن ہی گزریں گے، جبکہ کافروں کو یہاں سے نہیں گزارا جائے گا، کافروں کو روزِ قیامت براہ راست جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جیسا کہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے فرمایا جس شخص کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی راہ مستقیم کی ہدایت ملی (یعنی جس راہ مستقیم کو لیکر انبیاء آئے اور کتابیں نازل کی گئیں) تو قیامت کے دن جو پل جہنم پر بنایا جائے گا اس پل سے گذرنے کی توفیق بھی انھیں ملے گی جس سے گذر کر وہ سیدھے جنت میں چلا جائے گا اور ثواب وجزاء کا مستحق ٹھہرے گا، اور جس قدر وہ اس دنیا میں صراط مستقیم پر چلنے میں استقامت وثبات قدمی اختیار کرے گا اسی کے بقدر وہ پل صراط سے گزرنے میں بھی تیزی دکھائے گا، چنانچہ لوگ اس پل پر اپنے اعمال کے مطابق رفتار سے گزریں گے، کچھ تو آنکھ جھپکنے میں گزر جائیں گے، اور کچھ بجلی کی طرح، کچھ تیز ہوا کی مانند اور کچھ لوگ تیز رو گھوڑوں کی طرح گزریں گے۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو دوڑ کر گزریں گے، کچھ چل کر اور کچھ رینگتے ہوئے عبور کریں گے کچھ گرتے پڑتے اور گھسٹتے ہوئے۔ یوں کچھ لوگ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی تاہم پل عبور کرلیں گے اور کچھ جہنم میں گر پڑیں گے یعنی ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق رفتار کے ساتھ اس پل کو عبور کرے گا۔لہٰذا بندہ کو چاہیے کہ وہ غور کرے کہ کتنا فکرمند ہے صراط مستقیم اور راہ حق پر چلنے کیلئے؟ اور اسی پر دوام وہمیشگی برتنے کیلئے؟ دنیاوی زندگی میں صراط مستقیم پر استقامت وثبات قدمی ہے یا لومڑیوں کی طرح ادھر ادھر دوڑتے پھرتے رہے ہیں؟ کبھی شریعت پر عمل کرلئے اور کبھی ہوائے نفس کے غلام بن گئے؟ کبھی سنت پر عمل کیا تو کبھی من مانی کی؟؟۔اس لئے کہ بقدر عمل جزاء وثواب ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے **انما الجزاء من جنس العمل**۔

اور بندہ یہ بھی دیکھے کہ شبہات وشہوات کیسے راہ مستقیم پر چلنے میں رکاوٹ بن رہے ہیں شبہات وشہوات راستے کے دونوں کنارے کے خاردار کانٹے ہیں جو بندہ کو راہ راست پہ چلنے میں دشواری پیدا کرتے ہیں اور اچک لیتے ہیں،اگر دنیا میں شہوات وشبہات کے کانٹے زیادہ ہوگئے ہیں تو پل صراط کے طرفین بھی نوکیلے کانٹے ہوں گے اور خطرہ ہے کہ اچک لئے جائیں گے۔اسلئے شبہات وشہوات کے ہمہ گیر فتنوں سے دامن کو بچائے رکھئے ورنہ قیامت کے دن پل صراط کے کانٹے آڑے آجائیں گے اور رکاوٹ بنیں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں راہ حق صراط مستقیم پر استقامت وثبات قدمی عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆

مہمان نوازی کے آداب

ابوحمدان اشرف فیضی، رائیدرگ

مہمان کے لیے بعض آداب: مہمان کے لیے بعض آداب ہیں جن کا خیال رکھنا مہمان کے لیے ضروری ہے تا کہ اس کی طرف سے میزبان اور اس کے اہل خانہ کو کوئی تکلیف نہ ہو، چند اہم آداب ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ میزبان کو پیشگی اطلاع دے: مہمان کو چاہیے کہ کسی کے پاس جانے سے پہلے میزبان سے رابطہ کر کے اطلاع دے کہ ہم آرہے ہیں۔ یہ نہ صرف ادب کا تقاضا ہے بلکہ میزبان کے لیے بھی آسانی فراہم کرتا ہے تا کہ وہ آپ کا استقبال کر سکے یا اگر وہ کسی کام میں مصروف ہو تو آپ کو پیشگی اطلاع ہو جائے۔ اسی طرح پہلے سے وقت طے کر کے جانا چاہیے تا کہ میزبان کو تیاری کا موقع مل سکے اور وہ آپ کے استقبال کے لیے تیار ہو۔

۲۔ گھر پہنچ کر اجازت لے: جب آپ کسی کے گھر پہنچیں، تو دروازے پر پہنچ کر اجازت لیں۔ اگر دروازہ بند ہو یا کوئی اندر نہ ہو تو دستک دے کر صبر سے انتظار کریں۔ تین بار اجازت لیں، دروازہ کھلنے پر خوش اخلاقی سے اپنے آپ کو متعارف کرائیں اور اندر جانے کی اجازت طلب کریں۔ بعض اوقات میزبان مصروف ہو سکتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ [النور: ۲۷] اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو، یہی تمہارے لیے سراسر بہتر ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الاستئذان ثلاث، فان أذن لك، والا فارجع [صحیح مسلم: ۴۵۱۲] اجازت تین بار طلب کی جائے، اگر تم کو اجازت دے دی جائے (تو داخل ہو جاؤ) ورنہ لوٹ جاؤ۔

اجازت لیتے وقت دروازے کے سامنے سیدھا نہ کھڑا ہو بلکہ دائیں یا بائیں طرف ہو جائے۔

۳۔ بلا ضرورت تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے: حدیث نبوی ہے: ابو شریح خزاعی سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہمان نوازی تین دن ہے اور خصوصی اہتمام ایک دن اور ایک رات کا ہے اور کسی مسلمان آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ہاں ٹھہرا رہے حتی کہ اسے گناہ میں مبتلا کر دے۔ صحابہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ اسے گناہ میں کیسے مبتلا کرے گا؟ آپ نے فرمایا: وہ اس کے ہاں ٹھہرا رہے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو جس سے وہ اس کی میزبانی کر سکے۔ (صحیح مسلم: ۴۸)

۴۔ میزبان جو کھلائے خوشی سے وہ کھا لے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے اور وہ اسے کھانا کھلائے تو وہ کھانا کھا لے اور اس کے بارے میں مت پوچھے، اسی طرح اگر وہ کوئی مشروب پیش کرے تو وہ پی لے اور اس کے بارے میں نہ پوچھے۔ (مسند احمد ۹۱۸۴، دار قطنی، طبرانی ۵۱۷)

ابن الجوزیؒ کا قول ہے: ومن آداب الزائر ألا يقترح طعاما بعينه، وان خير بين طعامين اختار الأيسر، الا أن يعلم أن مضيفه يسر بذلك (الآداب الشرعية لابن مفلح: ۳/۲۰۸) مہمان کے آداب میں سے ہے کہ وہ کسی خاص کھانے کی فرمائش نہ کرے اور اگر اسے دو کھانوں کے درمیان انتخاب کا موقع دیا جائے تو وہ آسان ترین کو اختیار کرے، مگر یہ کہ اسے معلوم ہو کہ میزبان اس میں خوشی محسوس کرے گا۔

۵۔ کھانے میں عیب نہ لگائے: حدیث میں ہے: عن ابی هريرة قال: ما عاب النبى صلى الله عليه وسلم طعاما قط، ان اشتهاه أكله، وان كرهه تركه (صحيح البخارى: كتاب الأطعمة: باب ماعاب النبى طعاما: ٥٤٠٩) ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں کوئی عیب نہیں نکالا، اگر پسند ہوا تو کھا لیا اور اگر ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا۔

۶۔ کھانے سے فارغ ہو کر میزبان کے لیے دعا کرے: حدیث نبوی ہے: عبد اللہ بن بسرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد کے ہاں مہمان ہوئے، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجور پنیر اور گھی سے تیار کیا ہوا حلوہ پیش کیا، آپ نے اس میں سے تناول فرمایا، پھر آپ کے سامنے کھجوریں پیش کی گئیں تو آپ کھجوریں کھا رہے تھے۔ اور گٹھلیاں اپنی دو انگلیوں کے درمیان ڈالتے جا رہے تھے۔ (کھانے کے لیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی اور درمیانی انگلی اکٹھی کی ہوئی تھیں۔ شعبہ نے کہا: میرا گمان (غالب) ہے اور ان شاء اللہ یہ بات یعنی گٹھلیوں کو دو انگلیوں کے درمیان ڈالنا اس (حدیث) میں ہے۔ پھر (آپ کے سامنے) مشروب لایا گیا۔ آپ نے اسے پیا، پھر اپنی دائیں جانب والے کو دے دیا۔ (عبد اللہ بن بسرؓ نے) کہا: تو میرے والد نے جب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی سواری کی لگام پکڑی ہوئی تھی عرض کیا: ہمارے لیے اللہ سے دعا فرمایئے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعا کرتے ہوئے) فرمایا ”اے اللہ! تو نے انہیں جو رزق دیا ہے اس میں ان کے لیے برکت ڈال دے اور ان کے گناہ بخش دے اور ان پر رحم فرما۔(صحیح مسلم:کتاب الاشربة: باب، استحباب وضع النوی خارج التمر:۲۰۴۲)

دوسری حدیث میں ہے: انسؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن عبادہؓ کے پاس آئے تو وہ آپ کی خدمت میں روٹی اور تیل لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھایا پھر آپ نے یہ دعا پڑھی: ”أفطر عندكم الصائمون، وأكل طعامكم الأبرار، وصلت عليكم الملائكة “تمہارے پاس روزے دار افطار کیا کریں، نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمہارے لیے دعائیں کریں۔

۷۔مہمان اگر کسی کو اپنے ساتھ بلا دعوت لے جائے تو میزبان سے اس کی اجازت لے: حدیث میں ہے: جماعت انصار کے ایک صحابی جو ابوشعیبؓ کے نام سے مشہور تھے۔ان کے پاس ایک غلام تھا جو گوشت بیچا کرتا تھا۔وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے بھوک کا اندازہ لگالیا۔چنانچہ وہ اپنے گوشت فروش غلام کے پاس گئے اور کہا کہ میرے لیے پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کر دو۔میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار دوسرے آدمیوں کے ساتھ دعوت دوں گا۔غلام نے کھانا تیار کر دیا۔اس کے بعد ابوشعیبؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ان کے ساتھ ایک اور صاحب بھی چلنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوشعیب! یہ صاحب بھی ہمارے ساتھ آ گئے ہیں، اگر تم چاہو تو انہیں بھی اجازت دے دو اور اگر چاہو تو چھوڑ دو۔انہوں نے عرض کیا نہیں بلکہ میں انہیں بھی اجازت دیتا ہوں۔(صحیح البخاری:۵۴۶۱)

۸۔میزبان کے پاس اگر منکرات ہو تو واپس آجائے: حدیث میں ہے: سفینہ ابوعبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ایک شخص نے علیؓ کی دعوت کی اور ان کے لیے کھانا بنایا (اور بھیج دیا) تو فاطمہؓ نے کہا: کاش ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لیتے آپ بھی ہمارے ساتھ کھانا تناول فرما لیتے چنانچہ انہوں نے آپ کو بلوایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنا ہاتھ دروازے کے دونوں پٹ پر رکھا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھر کے ایک کونے میں ایک منقش پردہ لگا ہوا ہے، (یہ دیکھ کر) آپ لوٹ گئے تو فاطمہؓ نے علیؓ سے کہا: جا کر ملیے اور دیکھیے آپ کیوں لوٹے جا رہے ہیں؟ (علیؓ کہتے ہیں) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کیا اور پوچھا: اللہ کے رسول! آپ کیوں واپس جا رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے یا کسی نبی کے لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی آرائش و زیبائش والے گھر میں داخل ہو۔(سنن ابوداؤد:۳۷۵۵،حسن)

۹۔میزبان جہاں بٹھائے وہیں بیٹھے، اس کی خاص جگہ نہ بیٹھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولا يؤمن الرجل الرجل فی سلطانه، ولا يقعد فی بيته على تكرمته الا باذنه (صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة: باب من أحق بالامامة:٦٧٣) اور کوئی شخص دوسرے شخص کی سلطنت (یعنی اس کے علاقے یا گھر) میں اس کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرے اور اس کے گھر میں اس کی قابل احترام نشست پر اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہ بیٹھے۔”تکرمہ“ (مسند وغیرہ جو اس کی خاص جگہ ہو)۔

۱۰۔نظر کی حفاظت کرے: مہمان کو چاہیے کہ کسی کے گھر مہمان بننے کے بعد اپنی نظر کی حفاظت کرے، نظر آزاد نہ چھوڑے، تاکہ گھر کی خواتین پر نظر نہ پڑے، اس لیے کہ بدنگاہی سے بچنے کے لیے اجازت طلبی کا حکم رکھا گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما جعل الاستئذان من أجل البصر (صحيح البخاری:كتاب الاستئذان باب الاستئذان من أجل البصر:٦٢٤١) استئذان (اجازت طلب کرنے) کو نظر کے تحفظ کے لیے بنایا گیا ہے۔اور اسی طرح بلاوجہ گھر کے ہر کونے یا اشیاء کو دیکھنے کی کوشش نہ کرے، کیوں کہ یہ غیر اخلاقی عمل ہے۔

۱۱۔میزبان سے اجازت لے کر واپس آئے: حدیث نبوی ہے، عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا زار أحدكم أخاه فجلس عنده، فلا يقومن حتى يستأذنه (أخرجه الديلمی فی الفردوس: ١٢٠٠، السلسلة الصحيحة:١٨٢، صحيح الجامع: ٥٨٣، باختلاف يسير) جب کوئی آدمی اپنے بھائی کی زیارت کے لیے جائے اور اس کے پاس بیٹھ جائے تو وہاں سے بلا اجازت نہ اٹھے۔

میزبان کے لیے بعض آداب: جس طرح سے مہمان کے لیے آداب ہیں، اسی طرح میزبان کے لیے بھی آداب ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، چند آداب درج ذیل ہیں:

۱۔استقبال کرے: میزبان کو چاہیے کہ اپنے گھر آنے والے مہمان کا گرم جوشی سے استقبال کرے، یہ سنت ہے، اسوۂ نبوی ہے، آپ کی خدمت میں جب کوئی وفد یا مہمان آتا تو اس کا استقبال کرتے تھے، جیسا کہ حدیث میں ہے: قبیلہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کون سا وفد ہے؟ یا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ربیعہ خاندان (کے لوگ ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مبارک ہو قوم کو (آنا) یا مبارک ہو اس وفد کو

(جو کبھی) نہ رسوا ہو نہ شرمندہ ہو۔ (صحیح بخاری)

۲۔خود خدمت کرے: حدیث میں ہے: أن أبا أسيد الساعدي دعا النبي صلى الله عليه وسلم لعرسه، فكانت امرأته خادمهم يومئذ، وهي العروس، فقالت: ما تدرون ما أنقعت لرسول الله صلى الله عليه وسلم أنقعت له تمرات من الليل في تور ابواسید ساعدیؓ نے اپنے ولیمہ کی دعوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، اس دن ان کی بیوی ہی مہمانوں کی خدمت کر رہی تھیں۔ ابواسید نے کہا: تم جانتے ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کس چیز کا شربت تیار کیا تھا؟ پتھر کے کونڈے میں رات کے وقت کچھ کھجوریں بھگو دی تھیں اور دوسرے دن صبح کو آپ کو پلا دی تھی۔ اسی طرح اس کے بارے میں امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے: باب اكرام الضيف وخدمته اياه بنفسه [صحیح البخاری: کتاب الادب: حدیث نمبر:۵۳۱۶] (صحیح بخاری: ۷۹۵۵]

۳۔اسراف سے بچے: مہمان نوازی میں اسراف سے بچیں کیوں کہ اسراف تمام احوال میں منع ہے، بسا اوقات بعض لوگ مہمان نوازی میں بہت زیادہ اسراف سے کام لیتے ہیں، مہمان کم ہوتے ہیں پھر بھی انتظامات اور تیاری بہت زیادہ کر لیتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سارا کھانا ضائع ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس سے بچنا چاہیے کیوں کہ اسراف اور فضول خرچی سنگین گناہ ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وكُلُواْ وَاشْرَبُواْ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ [الاعراف:۳۱] اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بیشک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور فرمایا: وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيراً إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُوراً [الاسراء:۲۶-۲۷] اور اسراف اور بیجا خرچ سے بچو۔ بیجا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

۴۔تکلف نہ کرے: جو چیز میزبان کے پاس نہ ہو اور اس کے پاس طاقت بھی نہ ہو تو اس کے لیے تکلف نہ کرے: حدیث میں ہے: لا يتكلفن أحد لضيفه ما لا يقدر عليه (صحيح الجامع ۷۶۰۸، أخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق:۱۲۶/۱۳، السلسلة الصحيحة:۲۴۴۰، حسن) کوئی آدمی مہمان کے لیے اپنی استطاعت سے بڑھ کر تکلف نہ کرے۔

۵۔مہمانوں میں فرق نہ کرے: میزبان کے لیے ضروری ہے کہ مہمانوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کرے، کیوں کہ مال دار مہمانوں کے لیے خاص کھانے اور مخصوص نشستوں پر انہیں بٹھانے سے دیگر مہمانوں کے دلوں میں احساس کمتری اور دکھ کے تاثرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ابن العربیؒ کھانے کی دعوت میں غریب اور امیر لوگوں کے درمیان تفریق ڈالنے سے متعلق کہتے ہیں: اس سے ان کے دل ٹوٹ جائیں گے اور مہمانوں کے دلوں میں میزبان کے متعلق اتنی نفرت اور کدورت پیدا ہو گی جو پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے بھی زائل نہ ہو سکے گی [عارضۃ الاحوذی: ۹/۵] اور ایسا کھانا جو صرف صاحب ثروت لوگوں کے لیے خاص ہو حدیث کے مطابق بدترین کھانا ہے۔ حدیث میں ہے: شر الطعام طعام الوليمة، يدعى لها الأغنياء ويترك الفقراء، ومن ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله، (صحيح البخاري:۵۱۷۷) ولیمہ کا وہ کھانا بدترین کھانا ہے جس میں صرف مال داروں کو اس کی طرف دعوت دی جائے اور محتاجوں کو نہ کھلایا جائے اور جس نے دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

میزبان کے لیے لازم ہے کہ ضیافت کے لیے مومن متقی کو دعوت دے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تصاحب الا مؤمنا، ولا يأكل طعامك الا تقي (سنن ابي داؤد: كتاب الأدب، باب من يؤمر أن يجالس: ۴۸۳۲، حسن) مومن کے سوا کسی کو ساتھی نہ بناؤ اور تمہارا کھانا سوائے پرہیزگار کے کوئی اور نہ کھائے۔

۶۔بات چیت کرے: میزبان کو چاہئے کہ اپنے مہمان کے ساتھ شیریں گفتگو کرے، خیر و عافیت دریافت کرے اور مختلف دینی و دنیوی مسائل میں ہم کلام ہو، یہاں تک کہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے مہمان کے ساتھ عشاء کے بعد رات میں بوقت ضرورت گفتگو کرے۔ امام بخاریؒ نے اس کے لیے باب قائم کیا ہے: باب السمر مع الضيف والاهل، مہمان اور اہلِ خانہ کے ساتھ رات گزارنا۔ اور اس میں ابوبکرؓ کی حدیث کا ذکر ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، پھر واپس اپنے مہمانوں کے پاس آئے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا [صحیح البخاری: كِتَاب مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ: بَابُ السَّمَرِ مَعَ الضَّيْفِ وَالاهلِ:۶۰۲]

۷۔تکلیف نہ دے: مہمان کو کسی بھی صورت میں تکلیف دینا جائز نہیں، نہ قول سے اور نہ فعل سے، کیوں کہ یہ مسلمان کے اخلاق کے خلاف ہے اور شریعت اس کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کرتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (صحيح البخاري: كتاب الرقاق: باب، الانتهاء عن المعاصي: ۶۴۸۴) کامل مسلمان وہ ہے جو مسلمانوں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رکھے۔

میزبان پر لازم ہے کہ وہ اپنے مہمان کا ہر طرح سے خیال رکھے، اس کے ساتھ وقت گزارے اور بھلائی کی باتیں کرے، غیبت، چغلی اور تجسس سے بچے۔ اس کے رازدارانہ امور کی حفاظت کرے۔

۸۔بیزار نہ ہو: کبھی ہنگامی طور پر اگر گھر پر مہمان آجائیں اور پہلے سے کوئی تیاری نہ ہو تو میزبان کو بیزار نہیں ہونا چاہیے، بلکہ آئے ہوئے مہمان کا خوشی سے استقبال کرنا چاہیے کیوں کہ ہماری نیت اور جذبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اسی ماحضر

کھانے میں برکت دے سکتا ہے اور سارے مہمان شکم سیر ہو سکتے ہیں۔ یقیناً مہمان نوازی رزق میں خیر و برکت اور وسعت کا ذریعہ ہے: حدیث نبوی ہے: عن أبي هريرة رضى الله عنه أنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طعام الاثنين كافي الثلاثة، وطعام الثلاثة كافي الأربعة (صحيح البخاري: كتاب الأطعمة: باب، طعام الواحد يكفي الاثنين: ٥٣٩٢) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے کافی ہے اور تین کا چار کے لیے کافی ہے۔

۹۔ تحفہ و تحائف دے: میزبان کو چاہیے کہ مہمان کو جاتے وقت حسب طاقت تحفہ دے، کیوں کہ تحفہ باہمی محبت کو بڑھاتا ہے اور یہ اسوہ نبوی بھی ہے، حدیث میں ہے: زاہر بن حرامؓ دیہات کے رہنے والے ایک صحابی تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتے تھے۔ وہ اکثر گاؤں سے مدینہ آتے، وہاں سے آتے ہوئے دیہاتی اشیاء (تحائف) لاتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں ہمیشہ تحائف سے نوازتے اور بہت محبت کرتے۔ [مسند احمد: ۱۲۶۴۸، واللفظ لہ، والبزار: ۲۲۹۶، وابویعلی: ۳۴۵۶، اسنادہ صحیح]

دوسری حدیث میں ہے: تهادوا تحابوا (صحيح الأدب المفرد: ٤٦٢، حسن) آپس میں تحفے دو، ایک دوسرے سے محبت کرو۔ یہ حدیث اس بات کی تعلیم دیتی ہے کہ تحائف کا تبادلہ محبت، بھائی چارے اور دلوں میں انس و الفت پیدا کرتا ہے۔ تحفہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کا مقصد تعلقات کو مضبوط کرنا ہے۔

۱۰۔ مہمان کے ساتھ دروازے یا سواری تک جائے: میزبان کا مہمان کے ساتھ دروازے یا اس کی سواری تک جانا حسنِ سلوک اور مہمان نوازی کا حصہ ہے۔ بلکہ مہمان نوازی کی تکمیل ہے، عزت اور محبت کا اظہار ہے، بظاہر یہ ایک چھوٹا عمل ہے، لیکن اس سے مہمان کے دل میں میزبان کے لیے محبت اور احترام بڑھتا ہے۔ نیز اس کو سفر کی دعا دے کر رخصت کرنا، رخصت کرتے وقت اچھے الفاظ کہنا تاکہ محبت میں اضافہ ہو۔ مثلاً: آپ ہمارے گھر آئے بہت خوشی ہوئی، دوبارہ تشریف لائیں، وغیرہ، مہمان کو خوش اخلاقی کے ساتھ رخصت کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اچھے تاثرات کے ساتھ روانہ ہو اور اس کے دل میں میزبان کی محبت گھر کر جائے۔ یاد رہے کہ اس باب میں وارد حدیث کو امام البانیؒ نے موضوع قرار دیا ہے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بات سنت میں سے ہے کہ آدمی اپنے مہمان کے ساتھ (اسے رخصت کرتے وقت) گھر کے دروازے تک نکل کر آئے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۳۵۸ سلسلۃ الاحادیث الضعیف للالبانی ۲۲۵۸، ضعیف الجامع: ۱۹۹۶)

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۱۴ کا)

ہنگامہ ہائے درونِ خانہ کو سمجھنے کے لئے آپ عقل سے کام لیں گے تو آپ کو عقل گمراہ کر دے گی۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ عقل کے پتلے فلسفی سوچ سوچ کر خدا کا ہی انکار کر دیتے ہیں اور دہریہ ہو جاتے ہیں۔ ڈاکو اور چور عقل کو استعمال کر کے ہی حیران کن وارداتیں کرتے ہیں۔ تو

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
اس لئے
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے
(اقبالؒ)

واقعہ معراج کے متعلق ابوجہل نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ دیکھو تمہارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے کہ وہ رات کے چند لمحوں میں ساتوں آسمانوں اور ان سے آگے سے ہو کر آ گیا ہے، یہ عقل سے کوسوں دور بات بھی تم اس کی مان لوگے؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ چونکہ یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے۔ اس لئے میں اس پر زبردست یقین کے ساتھ ایمان لاتا ہوں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ کو صدیقیت کا تمغہ جنت عطا ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

تو عقل کے ساتھ محبت، عشق اور جنون بھی لازم ہے۔ اخبار وحی میں جہاں عقل متردد ہوتی ہے۔ وہاں محبت اور عشق ہی کام آتے ہیں۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی ہر ادا پر جان قربان کرے۔ اس کے ہر حکم پر بغیر مشورے کے قربان ہو جائے یہی مطلب ہے اس ارشاد خداوندی کا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (البقرہ: ۱۶۵) ''اور جو ایمان والے ہیں۔ ان کو سب سے بڑھ کر اللہ کی محبت ہوتی ہے۔''

یعنی مومن موحد اللہ کی محبت میں سب کچھ کر گزرتا ہے۔ خواہ دو جہان اس کے راستے میں روک بن جائیں۔ جب محبوب کی محبت انتہا کو پہنچ جائے۔ تو پھر عشق شروع ہوتا ہے، جب عشق کی انتہا ہوتی ہے تو پھر جنوں کی ابتدا ہوتی ہے، جب مرد مومن صاحب جنوں ہو جاتا ہے۔ تو پھر وہ اشد حبا للہ کی مے اپنے پیارے رسول کے ہاتھوں پی کر عقل عیار سے بے نیاز ہو کر صرف محبوب کا ہی ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ مولا کے حکموں فرمانوں، اشاروں، اور اداؤں پر مرنا مٹنا ہی جانتا ہے۔ اور سب کچھ بھول جاتا ہے یہی مضمون علامہ اقبالؒ نے ادا کیا ہے۔

عقل کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں
میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

تو اس مادی دور الحاد میں مسلمانوں کو صاحب جنوں بن کر اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسولؐ (جو خدا کی وحی سے بولنے والے ہیں) کی باتوں پر ایمان لانا چاہیے۔
(ماخوذ جمال مصطفیٰ)

عبداللہ الباقی اسلم

فرقہ معطلہ کا تاریخی مطالعہ (2)

جن علماء کرام نے اہل تعطیل کی تردید کی ہے، ان میں ابو محمد عبداللہ بن سعید بن کلاب (ت243ھ) کا نام بھی شامل ہے؛ جنہوں نے تردید جہمیہ ومعتزلہ پر کئی کتابیں تصنیف کیں، ان کے اصولوں کو کمزور بتایا، مگر ان کے چند اصولوں کی توضیح میں راہ یاب نہ ہوسکے؛ چنانچہ ”دلیل حلول حوادث“ کے مسئلے میں اہل تعطیل کی موافقت کی، نصوص شرعیہ سے نظریات کلامیہ کو جوڑنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے ”صفاتیہ“ نامی ایک اور مذہب وجود میں آیا، ابن کلاب نے صفات خبریہ کو ضرور ثابت کیا، مگر صفات اختیاریہ کا انکار کیا۔

جہمیہ اور معتزلہ کے بعد متکلمین کا سب سے پہلا فرقہ ”کلابیہ“ ہے، بطور فرقہ ”کلابیہ“ کا وجود ختم ہوتا گیا مگر بطور فکر وہ ان کے سارے اصول اشاعرہ کے یہاں منتقل ہوگئے؛ اسی لئے ابن کلاب ہی اشاعرہ کے امام اول ہیں، وہ منہج سلف سے قریب تھے، مگر چند ایسے اصولوں کو اپنایا جو منہج سلف کے عین مخالف ہیں۔

اشعری، قلانسی، اور محاسبی وغیرہم نے ابن کلاب کے طریقے کو اپنایا، صفت علو اور استوا سمیت تمام صفات خبریہ کو ثابت کیا مگر صفات اختیاریہ کا انکار کیا، کلابیہ اور متقدمین اشاعرہ کا منہج سلف وصالحین کے منہج سے کسی حد تک قریب تھا، مگر جوں جوں زمانہ طویل ہوتا گیا، وہ منہج سلف سے دور ہوتے گئے۔

ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ چالیس سالوں تک مذہب اعتزال پر قائم رہے، پھر ابن کلاب کے طریقے کو اپناتے ہوئے جہمیہ ومعتزلہ پر خوب تردید کی، صفات لازمہ کو ثابت کیا، مگر ابن کلاب کی طرح صفات اختیاریہ کا انکار کیا، اور اپنی عمر کے آخری مراحلے میں زکریا بن یحیی الساجی سے ملاقات کی، اور ان سے اہل سنت والحدیث کے چند اصول حاصل کئے۔

متقدمین اشاعرہ جیسے: ابوالحسن اشعری، باقلانی، اسفرائینی، ابن فورک وغیرہم نے مجملہ تمام صفات خبریہ کو ثابت کیا ہے، جبکہ متاخرین اشاعرہ جیسے: جوینی، رازی وغیرہم نے صرف صفات عقلیہ کو ثابت کیا، صفات اختیاریہ کا انکار کیا، اور صفات خبریہ سے متعلق ان کے درمیان کافی اختلاف رہا ہے، کسی نے نفی کی، تو کسی نے توقف اختیار کیا، کسی نے تاویل کی، تو کسی نے تفویض سے کام لیا ہے۔

مذہب اشاعرہ کئی ایک مراحل سے گزرا، پہلے مرحلہ میں مادۂ کلام داخل کیا گیا، تو دوسرے مرحلہ میں مادۂ اعتزال شامل کیا گیا، پھر تیسرے مرحلہ میں مادۂ فلاسفہ، اور چوتھے مرحلہ میں مادہ تجہم کو اپنایا گیا، یہاں تک کہ متاخرین اشاعرہ اشعری واہل سنت والجماعت کے منہج سے پوری طرح ہٹ گئے، چنانچہ باقلانی کی تالیفات میں مادۂ کلام کا غلبہ ہے، تو جوینی کی تصنیفات میں مادہ اعتزال کی کثرت ہے، جبکہ رازی، غزالی، اور بغدادی کی کتابوں میں مادۂ فلاسفہ کی آمیزش ہے، اور اس طرح سے مذہب اشاعرہ کے انحرافات میں اضافہ ہوتا گیا۔

اولاً: اشعریت چند اہم مراحل پر مشتمل ہے:

پہلا مرحلہ: ابن کلاب (ت 240ھ)، محاسبی (ت 243ھ)، اور اشعری (ت 324ھ) وغیرہم کے مقالات پر مشتمل ہے۔

اس کی اہم خصوصیت:

ا- صفات اختیاریہ کی نفی کرنا۔ ب- کلام الٰہی کو کلام نفسی قرار دینا۔

دوسرا مرحلہ: اشعری (ت324ھ) کے مقالات پر مشتمل ہے۔

اس کی خصوصیت:

ا- مذہب کلابی کی متابعت کرنا۔ ب- صفات فعلیہ کو قدیم وازلی قرار دینا۔

ج- کسب اور استطاعت مع فعل کا اعتقاد رکھنا۔

د- افعال الٰہی میں تعلیل وحکمت کا انکار کرنا۔

تیسرا مرحلہ: باقلانی (ت 403ھ)، ابن فورک (ت 406ھ)، اور عبد القاہر بغدادی (ت429ھ) وغیرہم کے مقالات پر مشتمل ہے۔

اس کی خصوصیت:

ا- جہمی ومعتزلی تاویلات کو داخل کرنا (خاص کر کے ابن فورک نے ابن ثلجی سے ان ہی تاویلات فاسدہ کو نقل کیا ہے جو اس نے بشر مریسی جہمی سے اخذ کیا تھا)۔

ب- مذہب اشعری کو مذہب حنفی ومالکی کے ساتھ شامل کیا گیا (اس سے قبل اشعریت مذہب شافعی میں محصور تھی، مگر اس مرحلے میں باقلانی مالکی، اور ابن ثلجی ومریسی حنفی کی تاویلات کے ذریعہ مذہب حنفی ومالکی کے ساتھ مذہب اشعری کو نشر کیا گیا)۔

چوتھا مرحلہ: اس کے دو جوانب ہیں:

1- صوفیت؛ قشیری (ت465ھ) نے مذہب اشعری میں تصوف کو داخل کیا، اور اس مرحلے کو مکمل کرنے میں غزالی (ت 505ھ)، ابن العربی (ت543ھ)، اور شہرستانی (ت548ھ) وغیرہم نے اہم کردار ادا کیا۔

2- تجہم واعتزال؛ جوینی (ت478ھ) نے مذہب اشعری میں جہمی، معتزلی مادے کو شامل کیا، جسے ایک طرح سے رازی (ت606ھ)، آمدی (ت631ھ)، ایجی (ت756ھ) وغیرہم نے عقلی وفلسفی قواعد کو مرتب کر کے مکمل کیا۔

پانچواں مرحلہ: شیعیت؛ ابن تومرت (ت524ھ) نے مذہب اشعری میں

تشیع ورافضیت کو شامل کیا۔

(جوینی ت 478ھ کے بعد آنے والے علماء) متاخرین اشاعرہ نے مذہب اشعری (کلابی) میں جن مواد کو شامل کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

ا- مادہ تجہم واعتزال (جوینی)۔ ب- مادہ فلسفہ (رازی)۔

ج- مادہ تصوف (قشیری)۔ د- مادہ تشیع ورفض (ابن تومرت)۔

بناء بریں موجودہ دور میں اشعریت = خالص جہمی ومعتزلی اور فلسفی اصولوں، ساتھ ہی تصوف وتشیع اور جبر وارجاء کے اعتقاد پر قائم ہے۔

ثانیًا: اشاعرہ نے ابن کلاب اور ابوالحسن اشعری سے درج ذیل مسائل میں اختلاف کیا ہے:

1- ابن کلاب اور ابوالحسن اشعری ''دلیل الاعراض وحدوث الاجسام'' کو صحیح دلائل اور اصول الدین میں سے نہیں مانتے ہیں، جبکہ اشاعرہ اسے اصول دین کی ایک اہم اصل تصور کرتے ہیں۔

2- ابن کلاب اور ابوالحسن اشعری صفت علو کو ثابت کرتے ہیں، جبکہ اشاعرہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

3- ابن کلاب اور ابوالحسن اشعری بعض صفات ذاتیہ جیسے: چہرہ، ہاتھ، اور آنکھ کو ثابت کرتے ہیں، مگر اشاعرہ صفات ذاتیہ کا انکار کرتے ہیں۔

ثالثًا: مذہب شاعرہ کا دائرہ وسیع ہونے میں چند اہم عوامل کارفرما رہے ہیں:

1- بغداد میں مذہب اشاعرہ نے جنم لیا، بغداد ان دنوں خلافت عباسیہ کا دار السلطنت تھا، علم وہنر کا مرکز، اور علما و دانشوروں کا گہوارہ تھا، جس کی وجہ سے مذہب اشاعرہ کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

2- منہج اہل سنت والجماعت اور منہج اشاعرہ میں کسی حد تک تقارب ہے، اگر ان کا حال معتزلہ جیسا ہی ہوتا تو انجام بھی وہی ہوتا جو معتزلہ کا ہوا تھا؛ لہٰذا اس تقارب کی بنیاد پر مذہب اشاعرہ کا دائرہ وسعت اختیار کر گیا۔

3- چند بڑے امراء اور وزراء نے اس مذہب کو اپنایا، اور اس کی طرف اپنی نسبت کی، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1- وزیر نظام الملک (ت 520ھ):

سلاطینِ سلاجقہ کے عہد میں نظام الملک تقریبا 30 سالوں تک منصب وزارت پر فائز رہے، ان کے دور میں بصرہ، اصفہان، بلخ، ہراۃ، مرو، موصل، نیساپور، اور بغداد جیسے شہروں میں مدارس قائم کئے گئے، جو مدارس نظامیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

نظام الملک صوفیہ اور اشاعرہ کے بڑے قدردان تھے؛ یہی علما ان کے مدارس میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہے تھے؛ لہٰذا عقیدہ اشعریہ کو فروغ دینے میں ان مدارس کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔

2- مہدی بن تومرت (ت 524ھ):

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن تومرت پانچویں صدی ہجری کے شروع میں مغرب کے علاقے میں ظاہر ہوا، بلاد عراق کی طرف سفر کیا، تھوڑا بہت علم حاصل کیا، پھر مغرب واپس ہوا، اور پہاڑی علاقے کے جاہل بربروں کی طرف رخ کیا، انہیں شرائع اسلام کے چند بنیادی باتیں سکھایا، پھر کچھ انوکھی چیزوں کو دکھا کر "مہدی" ہونے کا دعوی کیا، اس کے بعد مالکی مغربیوں پر ''مشبہہ ومجسمہ'' ہونے کا الزام لگایا، اور بربروں کے ساتھ مل کر اپنے فلسفی واشعری اعتقاد کی بنیاد پر ہزاروں مالکی مغربیوں کا قتل عام کیا؛ جو دراصل اہل سنت والجماعت کے اعتقاد پر قائم تھے، اس طرح سے بلاد مغرب جو عقیدہ سلفیہ کا گہوارہ تھا، اس شخص کی وجہ سے عقیدہ اشعریہ سے بھر گیا۔

3- صلاح الدین ایوبی (ت 589ھ):

اشاعرہ کے ایک بڑے عالم قطب الدین ابو المعالی مسعود بن محمد بن مسعود نیساپوری نے عقیدہ اشعریہ پر ایک کتاب تالیف کی تھی جسے بچپن ہی میں صلاح الدین ایوبی نے حفظ کیا تھا، اسے اپنی اولاد کو بھی یاد کراتے، خود ان کی اور ان کی اولاد کی نشو ونما اشعری عقیدہ پر ہی ہوئی تھی، اسی لئے تمام لوگوں کو ابوالحسن اشعری کے عقیدہ پر ابھارتے، نتیجتًا بنی ایوب کے تمام ملوک، اور ملوکِ اتراک کے دور میں اشعری عقیدہ ہی کا غلغلہ رہا۔

لہٰذا دنیا کے ہر چہار جانب اشعری عقیدہ کو پھیلانے میں صلاح الدین ایوبی کا بڑا ہاتھ رہا ہے، خصوصا مصر جو ایوبی حکومت کا دار السلطنت، علم ہنر کا مرکز، اور علماء و حکماء کا محور تھا، لہٰذا یہاں سے بھی اشعری عقیدہ خوب پھیلا۔

جامعہ ازہر کی تاسیس سن 359ھ میں فاطمی حکومت میں رکھی گئی، اس زمانے کا یہی سب سے بڑا دینی ادارہ تھا، ایوبی حکومت کے قیام کے بعد یہاں سے شیعی غلبے کو ختم کیا گیا، اور اشعری عقیدہ کی بنیاد پر علوم اسلامیہ کو فروغ دینے کا فریضہ انجام دیا جانے لگا، اس طریق پر اشعری عقیدہ کو پھیلانے میں جامعہ ازہر کا بہت بڑا کردار رہا ہے اور آج بھی ہے۔

عباسی خلیفہ متوکل کے دور میں سمرقند کے علاقے میں ایک اور فرقہ وجود میں آچکا تھا، اس فرقہ کی بنیاد بھی عقلی وکلامی دلائل پر رکھی گئی، فرقہ ماتریدیہ ابومنصور محمد بن محمد بن محمود بن محمد ماتریدی (متوفی 333ھ) کی طرف منسوب ہے، یہ صفات کے باب میں جہمیہ اور ابن کلاب سے کافی متاثر ہوئے، اللہ کے ناموں کو ثابت کیا، مگر باب اخبار وباب اسماء میں فرق نہیں کیا، چنانچہ صانع، قدیم، ذات، شئی، یہاں تک کہ لفظ ''و'' کو بھی اللہ کے ناموں میں شمار کیا، حالانکہ باب اخبار باب صفات سے کافی وسیع ہے، لہٰذا دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے، واضح رہے کہ باب اخبار اجتہادی ہے، جبکہ باب اسماء توقیفی ہے۔

جہاں تک صفات کی بات ہے تو صرف آٹھ صفات ''علم، قدرۃ، ارادۃ، حیاۃ، سمع، بصر، کلام، اور _ تکوین'' کو ثابت کیا ہے، باقی تمام صفات کا انکار کیا ہے۔

ابوالحسن اشعری- رحمہ اللہ- سے ابومنصور ماتریدی کی ملاقات نہ ہوئی، اس کے باوجود اشعریہ اور ماتریدیہ کے درمیان اس قدر اتفاق ہے کہ کئی بار یہ لگتا ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں، اس کے چند اسباب ہیں:

1-دونوں فرقے-اپنے زعم کے مطابق-خود کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔
2- دونوں کے حریف ''معتزلہ'' ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت-اہل الحدیث-بھی ان کے حریف ہیں۔
3- منہج تلقی دونوں کے ایک ہی ہیں؛ لہٰذا نقل پر عقل کو مقدم کرنا، مجاز، احادیث آحاد کی تردید، اور تفویض جیسے امور ان کے اصولوں میں داخل ہیں۔
4-دونوں کا اصل مرجع ''کلابیہ'' ہے۔
یہ چند ایسے اسباب ہیں جن کی بنیاد پر دونوں فرقوں کے اصول ایک جیسے ہیں۔
ماتریدیہ کو اپنے زمانے میں معتزلہ اور اشعریہ کی طرح پذیرائی حاصل نہ ہوئی، اس کے چند اسباب ہیں:
1-ابومنصور ماتریدی مرکز خلافت سے کافی دور تھے۔
2-جس طرح معتزلہ کو خلافت عباسیہ کے کچھ فترے میں مدد ملی، اور اشعریہ کو دولہ ایوبیہ، دولہ سلاجقہ، اور دولہ موحدین میں فروغ ملا اس طرح کسی خاص حکومت کی طرف سے ماتریدیہ کو مدد یا پشت پناہی حاصل نہ ہوسکی۔
3-عالم اسلامی کے علمی مراکز جیسے: مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بغداد، دمشق وغیرہ کی طرف ابومنصور ماتریدی نے سفر نہیں کیا، یہاں کے علماء کرام کے ساتھ ملاقات نہ کی، اور نہ ہی ان کے ساتھ مناظرے کی نوبت آئی، جس کی وجہ سے وہ گمنام زمانہ ہی رہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ علماء تاریخ جیسے: اشعری، ابن حزم، بغدادی، شہرستانی، ابن اثیر، ابن کثیر، اور ذہبی وغیرہم میں سے کسی نے ان کے بارے میں قلم نہیں اٹھایا ہے۔
ابومنصور ماتریدی کے زمانے میں ''ماتریدیہ'' کا تعارف اس نام سے نہیں ہوا، مگر امتداد زمانہ کے ساتھ یہ فرقہ کئی ادوار سے گزرا، اور باقاعدہ مستقل فرقہ کی شکل اختیار کرگیا، ماتریدیہ کے چند اہم ادوار درج ذیل ہیں:
1-دورِ تاسیسی (258ھ-333ھ):
یہ ابومنصور ماتریدی کا دور ہے، جس میں اس مذہب کی بنیاد رکھی گئی، اور انہوں نے معتزلہ کے خلاف کئی کتابیں تصنیف کیں۔
2-دور تکوینی (333ھ 700ھ):
اس مرحلہ میں ابومنصور ماتریدی کے تلامذہ نے ان کے افکار کی نشر، اور ان کے دفاع میں کثرت سے کتابیں تالیف کیں، ان میں سے چند یہ ہیں:
1-ابوالقاسم اسحاق بن محمد سمرقندی (ت 342ھ)۔
2-ابومحمد عبدالکریم بزدوی (ت 390ھ)۔
3-دور بزدوی (400ھ-500ھ):
یہ ابومنصور ماتریدی کے تلامذہ کے تلامذہ کا دور ہے، جس میں عقیدہ ماتریدیہ کو خوب بسط وشرح کے ساتھ بیان کیا گیا، اس پر کثرت سے کتابیں لکھی گئیں، جو لوگ اس میں پیش پیش رہے ان میں سے چند یہ ہیں:
1-ابوالیسر محمد بن محمد بزدوی (ت 493ھ)۔
2-محمد بن الفضل بلخی (ت 419ھ)۔4-دور نسفی (500ھ-700ھ):
اس دور میں سابقہ ادوار کی بنسبت عقیدہ ماتریدیہ پر زیادہ کتابیں لکھی گئیں، اس کے دلائل ہر اعتبار سے جمع کئے گئے، اس دور کے چند اہم اور فعال شخصیات درج ذیل ہیں:
1-ابومعین نسفی (508ھ)۔2-نجم الدین نسفی (537ھ)۔
5-دورعثمانی (700ھ-1300ھ):
یہ دور فرقہ ماتریدیہ کے لئے سب سے اہم تصور کیا جاتا ہے؛ کیونکہ اسی دور میں اسے ''دولت عثمانیہ'' کی طرف سے کافی مدد ملی، چنانچہ اس کی بھرپور پذیرائی ہوئی، اور اس کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔
اس دور میں سب سے اہم جن کا کردار رہا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:
1-سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی (ت 792ھ)۔
2-ابوالحسن علی بن محمد جرجانی (ت 816ھ)۔
3-کمال الدین محمد بن عبدالواحد-ابن الھمام-(ت 861ھ)۔
6-دور دیوبندی (1283ھ----):
یہ دور دارالعلوم دیوبند (ہند) کی طرف منسوب ہے، عقیدہ ماتریدیہ کی نشر میں اس ادارے کا بڑا اہم کردار رہا ہے، جس کے دو اہم شعبے ہیں:
ا-تعلیم وتدریس؛ جس کا فریضہ ہند، پاکستان، بنگلہ دیش، اور افغانستان کے ''مدارس دیوبندیہ'' میں انجام دیا جاتا رہا ہے، اور عصر حاضر میں عقیدہ ماتریدیہ کا یہی اصل مراکز ہیں۔
ب-دعوت وتبلیغ؛ جس کا فریضہ ''جماعت تبلیغ'' انجام دے رہی ہے، یہ جماعت صوفیہ آراء وافکار اور ماتریدی عقائد کے حامل ہے، جنہیں یہ بڑی خوش اسلوبی اور پوشیدگی کے ساتھ دوسروں تک پہنچانے میں سعی پیہم کرتی رہی ہے۔
7-دور کوثری (1296ھ----):
یہ دور محمد بن زاہد کوثری (ت 1371ھ) کی طرف منسوب ہے، اس شخص نے عقیدہ ماتریدیہ کو خوب فروغ دیا، اہل سنت والجماعت کو گالیاں دیں، یہاں تک کہ انہیں مشرک، کافر، مجسمہ، اور مشبہہ تک کہا، عقیدہ کے باب میں کتب سلف کو: کتب وثنیہ، شرکیہ، اور کفریہ کہا، اور سلف صالحین کی اس عظیم وراثت کو تشبیہ وتجسیم سے پر بتایا ''وانهم لبراء عما يقول اذا الكذّاب براءة الذئب عن دم يوسف-عليه السلام-'' اس بندے نے توسل کی آڑ میں عبادت قبور، اور قبروں پر قبے، اور مزارات بنانے کی دعوت دی۔
عصر حاضر میں یقیناً یہ کوثری دور بھی فرقہ ماتریدیہ کی ایک اہم کڑی ثابت ہوئی ہے۔
اس طرح سے جس تعطیل کی بات سب سے پہلے جعد نے کہی تھی، وہ جہم، مریسی، ابن ابی دؤاد سے گزرتے ہوئے کوثری تک آپہونچی، لہٰذا عصر حاضر میں ان جیسے لوگوں کے افکار سے حاملین عقیدہ سلف کو ہر ممکن باخبر، اور آگاہ رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم خود کی اور اپنے مسلک کی حفاظت کرسکیں۔ ☆☆

ماخذ: بار اینڈ بینچ

ترجمانی: مفتی نوید سیف ایڈووکیٹ

سپریم کورٹ کا اردو زبان کولیکر تاریخی فیصلہ: اردو کی عزت بحال، ہندوستانی تنوع کی جیت

سپریم کورٹ نے ۱۴/اپریل ۲۰۲۵ء کو ایک تاریخی فیصلہ سناتے ہوئے مہاراشٹرا کے پاتور میونسپل کونسل کے سائن بورڈ پر اردو زبان کے استعمال کو نہ صرف درست قرار دیا بلکہ اسے بھارتی تہذیب کی عظیم علامت کے طور پر سراہا، جسٹس سدھانشو دھولیا اور جسٹس کے ونود چندرن پر مشتمل بینچ نے اس مقدمے (مسز ورشا تائی بنام ریاست مہاراشٹرا) میں زبان، تہذیب، اور بھائی چارے کے بارے میں گہری بصیرت پیش کی، جو ہندوستانی عدالتی تاریخ میں ایک سنہری باب کی طرح درج ہوگا...

مقدمے کی تفصیل: اردو کا دفاع، تعصب کی نفی: یہ مقدمہ پاتور ٹاؤن کی سابق کونسلر ورشا تائی سنجے باگاڑے کی جانب سے دائر کردہ درخواست سے شروع ہوا، جنہوں نے میونسپل کونسل کے سائن بورڈ پر اردو زبان کے استعمال کو چیلنج کیا تھا، ان کا دعویٰ تھا کہ مہاراشٹرا لوکل اتھارٹیز (سرکاری زبانیں) ایکٹ 2022 کے تحت صرف مراٹھی زبان کا استعمال جائز ہے، لیکن سپریم کورٹ نے اس دعوے کو سختی سے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ نہ تو مذکورہ قانون اور نہ ہی کوئی دوسری قانونی شق اردو کے استعمال پر پابندی عائد کرتی ہے۔

جسٹس سدھانشو دھولیا اور جسٹس کے ونود چندرن نے اپنے فیصلے میں کہا کہ آئین ہند کی آٹھویں شیڈول میں شامل مراٹھی اور اردو دونوں زبانوں کو برابر کی حیثیت حاصل ہے، عدالت نے زور دیا کہ سائن بورڈ پر اردو کا استعمال مقامی لوگوں کی سہولت اور رابطے کے لیے ہے، نہ کہ کسی سیاسی یا مذہبی ایجنڈے کا حصہ...

اردو کی جڑیں: ہندوستانی تہذیب کا آئینہ: عدالت نے اپنے فیصلے میں اردو زبان کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ بھارت کی سرزمین پر جنم لینے والی ایک ہند آریائی زبان ہے، جو صدیوں کے ثقافتی امتزاج سے پروان چڑھی، عدالت نے افسوس کا اظہار کیا کہ نوآبادیاتی طاقتوں نے ہندی اور اردو کے درمیان مصنوعی تقسیم پیدا کی، ہندی کو ہندوؤں اور اردو کو مسلمانوں سے جوڑ دیا۔ اس تقسیم نے زبانوں کو مذہبی رنگ میں رنگ دیا، جو بھارتی وحدت اور تنوع کے جذبے کے منافی ہے۔

عدالت نے اپنے ریمارکس میں کہا: یہ موقع اردو کے عروج و زوال پر تفصیلی بحث کا نہیں، لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ہندی اور اردو دونوں زبانوں کا امتزاج انتہا پسندوں کے رویے کے باعث متاثر ہوا۔ ہندی زیادہ سنسکرت زدہ اور اردو زیادہ فارسی زدہ ہوگئی۔ نوآبادیاتی طاقتوں نے اس لسانی تقسیم کو مذہب کی بنیاد پر مزید گہرا کیا۔ ہندی کو ہندوؤں اور اردو کو مسلمانوں کی زبان سمجھا جانے لگا، جو حقیقت سے افسوسناک انحراف ہے۔

عدالت نے واضح کیا کہ اردو کوئی ''غیر ملکی'' زبان نہیں بلکہ اس کی جڑیں ہندوستانی سرزمین میں پیوست ہیں، یہ مختلف ثقافتوں کے باہمی رابطے سے وجود میں آئی اور وقت کے ساتھ شاعری، ادب، اور تہذیب کی ایک اعلیٰ زبان بن گئی۔ بڑے شاعروں نے اسے اپنایا اور اسے نئی بلندیوں تک پہنچایا...

زبان رابطے کا پل، تقسیم کی دیوار نہیں: سپریم کورٹ نے اس بات پر زور دیا کہ زبان کا بنیادی مقصد رابطہ ہے، نہ کہ لوگوں کو تقسیم کرنا، اگر پاتور کے مقامی لوگ اردو سمجھتے ہیں، تو سائن بورڈ پر مراٹھی کے ساتھ اردو کا استعمال نہ صرف جائز ہے بلکہ عوامی سہولت کے لیے ضروری بھی ہے۔ عدالت نے کہا کہ میونسپل کونسل نے 1956 سے اردو کا استعمال کیا ہے اور مقامی آبادی اسے بخوبی سمجھتی ہے۔

عدالت نے یہ بھی واضح کیا کہ ورشا تائی کا اعتراض قانونی طور پر درست نہیں تھا، کیونکہ سائن بورڈ کے بارے میں فیصلہ چیف آفیسر کا اختیار ہے، نہ کہ کسی کونسلر کا۔ اس سے قبل بامبے ہائی کورٹ نے بھی 2021 میں اسی عرضی کو مسترد کر دیا تھا، جس کے بعد یہ معاملہ سپریم کورٹ تک پہنچا... اردو اور بھارتی عدالتی نظام: جسٹس سدھانشو دھولیا اور جسٹس کے ونود چندرن نے اپنے فیصلے میں ایک خوبصورت مشاہدہ پیش کیا کہ اردو زبان بھارتی عدالتی نظام کا بھی حصہ ہے۔ انہوں نے کہا:

''عدالتوں کی زبان میں اردو الفاظ کا گہرا اثر ہے، چاہے وہ دیوانی قانون ہو یا فوجداری۔ 'عدالت'، 'حلف نامہ'، 'پیشی' جیسے الفاظ اردو کے اثر کی واضح مثالیں ہیں۔''

یہ ریمارکس اس بات کی گواہی ہیں کہ اردو نہ صرف روزمرہ زندگی بلکہ بھارت کے قانونی اور تہذیبی ڈھانچے میں بھی رچی بسی ہے..

گنگا جمنی تہذیب کی جیت: عدالت نے اردو کو گنگا جمنی تہذیب کی ایک روشن مثال قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ شمالی اور وسطی بھارت کی مشترکہ ثقافتی روح کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس نے زور دیا کہ زبان مذہب کی نہیں، بلکہ قوم، خطے، اور عوام کی ہوتی ہے۔ عدالت نے کہا: اپنے تصورات واضح کریں۔ زبان مذہب نہیں ہے، نہ ہی زبان مذہب کی نمائندگی کرتی ہے۔ زبان تہذیب ہے، زبان ایک قوم اور اس کے افراد کی تمدنی ترقی کی کسوٹی ہے۔

یہ فیصلہ صرف اردو کے بارے میں نہیں بلکہ ہندوستان کے لسانی تنوع اور بھائی چارے کی روح کو سمجھنے کے بارے میں ہے۔ عدالت نے کہا کہ ہمیں اپنی زبانوں سے متعلق تعصّبات اور غلط فہمیوں کو حقیقت کی کسوٹی پر پرکھنا ہوگا۔

عدالت نے اپنے فیصلے کا اختتام ایک پُر جوش پیغام کے ساتھ کیا:

ہماری زبانوں کے بارے میں ہماری غلط فہمیاں یا شاید تعصّبات، اس عظیم تنوع کی حقیقت کے سامنے پرکھنے کی ضرورت ہے۔ ہماری طاقت ہماری کمزوری نہیں ہو سکتی۔ آیئے اردو اور ہر زبان سے دوستی کریں۔

یہ الفاظ نہ صرف عدالتی فیصلے کا حصہ ہیں بلکہ ہندوستانی معاشرے کے لیے ایک عظیم پیغام ہیں کہ ہمیں اپنی زبانوں کو تقسیم کا ذریعہ بنانے کے بجائے انہیں رابطے اور اتحاد کا پل بنانا چاہیے۔

☆☆

شاہد جنید رحمہ اللہ

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی
امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

مولانا شاہد جنید صاحب سلفی صدر جامعہ سلفیہ بنارس اور سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اور رکن عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی موت کی خبر میرے لئے ایک حادثہ فاجعہ تھا۔ میرے لئے اور تمام مخلصین ومنتسبین جامعہ اور متعلقین جماعت خصوصاً جن کو کسی بھی طرح سے مولانائے مرحوم سے سابقہ پڑا ہو یہ عظیم سانحہ سے کم نہ تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ میرے مشفق وکرم فرما مولانا عبدالوحید سلفی صاحب ناظم جامعہ سلفیہ بنارس اور میرے مشفق اور مہربان استاذ گرامی قدر مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ کی وفات حسرت آیات کے موقع سے بھی میں حالت سفر میں تھا جہاں سے آپ کے جنازے میں شرکت نہیں ہوسکی تھی۔ اسی طرح مولانا شاہد صاحب مرحوم کی وفات کی خبر لگی تو اس وقت میں دیوگھر جھارکھنڈ ایئرپورٹ پر جہاز کے پرواز کا منتظر بیٹھا تھا۔ اور تجہیز وتکفین کے لئے جو وقت متعین کیا گیا اس پر پہنچنا انتہائی مشکل تھا، تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تدفین سے پہلے بنارس پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور تدفین کے بعد میرے لیے کشمکش کا مرحلہ تھا کہ جامعہ سلفیہ جس کے آپ صدر تھے پہلی فرصت میں وہاں جاکر تعزیت کروں اور وہ جامعہ جو آپ کا مادر علمی اور آپ کے والد اور خاندان کے تگ وتاز کا مرکز تھا اور جس کے لیے تمام سلفیان ہند کا دل دھڑکتا ہے اور جس کا تعاون وخیر خواہی سب پر فرض ہے اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے جسے بڑی آرزوؤں، تمناؤں، کاوشوں، منصوبہ بندیوں، فکرمندیوں اور قربانیوں کے بعد قائم کیا تھا۔ اور جہاں پہنچ کر قلبی سکون حاصل ہوتا ہے، اس کے درودیوار کو دیکھ کر فرحت وسرور اور انبساط وسعادت کا احساس ہوتا ہے، وہاں پہلے قیام کیا جائے جبکہ دوسری طرف برادر گرامی مولانا محمد جنید مکی کا اصرار تھا کہ ان کے دولت کدے پر قیام کیا جائے۔ جبکہ مولانا مرحوم کے فرزند انس انصاری بن شاہد جنید سلمہ کا کہنا تھا کہ ان کے یہاں ان کے آرام دہ ہوٹل میں میں قیام کروں اور دل اور جسم کا تقاضا یہ تھا کہ کئی دنوں کی تھکاوٹ، مسلسل سفر، اور شب بیداری اور اس سے قبل کئی دنوں کے بخار اور بیماری نیز مرحوم کے دولت کدے پر پہنچ کر اہل خانہ کو پہلی فرصت میں تعزیت کروں۔ لیکن جسم وجان کی راحت کی پرواہ کئے بغیر سب سے بحسن وخوبی معذرت کرتے ہوئے جامعہ میں قیام کو ترجیح دی۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سے احباب کی فرمائشوں اور قدردانیوں کو چاہتے ہوئے بھی قبول نہ کرسکا۔ اور عدم ترتیب کی وجہ سے بعض بھائیوں کو تکلیف بھی پہنچی خصوصاً عزیزم مولوی عبدالوہاب جلالی پورہ سلمہ جو ایک قدردان سابق ایم ایل اے سہراب صاحب کی گاڑی لے کر ایئرپورٹ پہنچ چکے تھے۔ اسی طریقے سے مولانا محمد جنید مکی کے صاحبزادے اور بھائی عارف کے فرزند بھی ہوائی ایئرپورٹ پر موجود ملے۔ جبکہ مولانا اقبال محمدی، مولانائے مخدوم مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی، برادر عزیز فیروز ارین اور مولانا کلیم اللہ سلفی وغیرہ صاحبان کو بھی میرے اس سفر کے حوالے سے بار بار مختلف طرح کی تکلیف اٹھانی پڑی۔ جزاہم اللہ خیرا

جیسا کہ ذکر ہوا جامعہ سلفیہ میں رات کا قیام رہا اور وہاں مختلف احباب جن میں زملاء، تلامذہ اور اساتذہ بھی تھے، نے استقبال کیا۔ اور صبح آفس اور دیگر ادارہ جات کے مشاہدے اور اس کے متعلقین سے ملاقات اور تعزیتی کلمات کے ساتھ اکثر درس گاہوں سے گزرنے اور اس میں طلبہ سے ہم کلام ہونے کا بھی موقع استاذ گرامی قدر مولانا محمد مستقیم سلفی شیخ الجامعہ حفظہ اللہ کی معیت میں ملا۔ چونکہ جامعہ میں رمضان کی تعطیل کلاں کے بعد نئے تعلیمی سال کا آغاز تھا۔ پھر بھی اساتذہ کے اندر فکرمندی، تگ ودو اور محنت اور اخلاص کا مشاہدہ ومعائنہ بہت سارے غموں کا خصوصاً غم فراقِ صدرِ جامعہ کا مداوا بن رہا تھا۔ وہیں طلبہ کے اندر ڈسپلین اور شوق وذوق اور لگن ومحنت کا نظارہ فکر فردا کی کمی کا باعث اور خاطر خود اور جماعت وملت کی تسلی کا باعث بن رہا تھا۔ انہی کیفیات، جذبات، بہت ساری خواہشات، آرزوؤں اور تمناؤں کو دل میں سجائے ہوئے رب کریم سے امید واثق اور یقین کامل رکھتے ہوئے مادر علمی سے رخصت ہوا۔ رخصت سے قبل عزیز مکرم مولانا عبدالمتین سلفی مدنی سلمہ اللہ کی ترتیب کے مطابق مولانا شاہد جنید صاحب کے ہونہار اور فرمابردار اور سلیقہ شعار فرزندوں کی ارسال کردہ گاڑی پر مولانا عبدالمتین کے ہمراہ ان کے گھر حاضر ہوا۔ اور وہاں اہل خانہ اور مرحوم کے رشتہ داروں کے ساتھ پھر دوبارہ محترم جناب سالم صاحب اور شعیب دا کو پاکر ایک طرف ماضی کی یادیں اور غم کی یہ گھڑی اور ان کی موجودگی سے راحت واطمینان کا سامان متضاد کیفیات پیدا کررہا تھا۔ سب سے ملنے اور تعزیتی مسنون وماثور ومعروف کلمات کہنے کے ساتھ **اذا مات الانسان انقطع عنه عمله** کی روشنی میں بر والدین، ثواب والدین اور دعائے والدین اور سلوک واحسان مع الوالدین پر مختصر نصیحت آمیز گفتگو کے بعد مرحوم کے ساتھ گذرے ہوئے بعض اوقات اور اہم حالات اور نصیحت آموز واقعات اور ذاتی تعلقات کا ذکر جمیل **اذکروا محاسن موتاکم** کے مصداق رہا۔ مغرب کی نماز کے بعد جب دلی کے لیے مولانا محمد رحمانی صدر جامعہ سنابل کے ساتھ عازم سفر ہونے لگے۔ تو ان کے ہونہار فرزند نے بڑی اپنائیت، محبت اور ادب کے ساتھ ہر طرح سے تعلق خاطر رکھنے اور متعاون رہنے کی طلب وتمنا کا اظہار فرماکر اپنا اور ہمارا بہت حد تک غم کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ لغزشوں سے درگزر کرے اور ان کے فرزندان وپسماندگان کو اور دختر نیک اختر صبا سلمہا اور حسین سیرت، نیک خصلت اور وفا شعار بیوی

کو صبر جمیل عطا فرمائے اور دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔

مولانا شاہد جنید ایک معزز خانوادہ کے چشم وچراغ تھے۔ ان کا خاندان ایک علم دوست، معزز ومحترم، معروف سماجی، دینی اور پروقار وذی حیثیت خاندان کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ ان کے والدگرامی بنارس اور مدنپورہ جو اپنی ایک الگ تہذیب وثقافت اور رکھ رکھاؤ رکھتا ہے، کی نمایاں شخصیت تھے، ان کی کوٹھی مدنپورہ ہی نہیں، بلکہ بنارس کے اہم خاندانوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ حاجی صدیق اور حاجی فاروق صاحبان رحمہم اللہ مال وجاہ ہونے کے ساتھ ساتھ مخیّرین جماعت میں شمار ہوتے تھے۔

مولانا شاہد جنید صاحب کے والد گرامی جناب فاروق صاحب موحد، دیندار، خداترس، قرآن وحدیث کے شیدائی اور دینی کاموں میں سبقت لے جانے کے جذبے سے سرشار تھے، مہمان نوازی اور کریم النفسی میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے اور علم دوستی، علماء نوازی اور غریب پروری آپ کا خاص وصف تھا۔ ایک بڑے تاجر ہوتے ہوئے بھی علم وعلماء کے قدردان تھے اور ان کے لیے بڑا سے بڑا خواب دیکھتے تھے۔ اہالیان مدن پورہ میں اس صفت اور جذبے سے کئی خاندان سرشار تھے، اور اللہ تعالی کی خصوصی نوازش سے ان کی نیتوں اور کوششوں کے صلہ کے طور پر مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ کی شکل میں جماعت اہلحدیث کا مرکزی تعلیمی ادارہ اور ہندوستان کا معروف علمی وتربیتی گہوارہ بنارس میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہندنے قائم کیا، جس کے فضلاء عالمی طور پر پھیلے، پھلے پھولے اور علمی وتعلیمی وتربیتی نقوش واثرات چھوڑے۔

خود موصوف مولانا شاہد جنید صاحب رحمہ اللہ بھی جو ایک ہونہار، ذہین وفطین اور کامیاب طالب علم، فاضل جامعہ سلفیہ، ناظم وسکریٹری اور سب سے بڑے منصب کرسی صدارت پر فائز ہوئے، اس جامعہ کے کامیاب فضلاء میں سے تھے۔ یہ مرکز علم وفن مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے عظیم الشان کارنامے اور اہلحدیثان ہند اور عالم اسلام کے علماء وشیدائیان کتاب وسنت کے ساتھ خود اہل مدن پورہ جس کے آپ چشم وچراغ تھے، کی آرزؤں، کاوشوں، داد ودہش، اخلاص نیت اور کوششوں کا ثمرہ ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ بہت زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھیں اور قدیم روایات کے مطابق اسکول کے چند ابتدائی درجات ہی آپ کا تعلیمی معیار ومستوی تھا، مگر جس گھر میں آپ بیاہ کر آئی تھیں اور ان کو جس طرح کا ماحول ملا اور جس طرح شوہر نامدار نیک شعار اور بلند اطوار ملے تھے، اس نے آپ کی تعلیم وتربیت کو کتاب وسنت، اخلاق ومروت، صبر وشکیبائی، جود وسخا، حجاب اور تقوی وطہارت میں ڈھال دیا تھا۔ اب آپ سراپا کتاب وسنت، عقیدہ توحید اور اتباع سنت کی پابند ہی نہیں، داعی ومبلغ بن گئیں تھیں اور ان دونوں ماں باپ کی ہمہ تن توجہات، تعلیم وتربیت اور حسنات واثرات سے آپ کی شخصیت متاثر اور مزین نظر آتی تھی اور آپ بجا طور پر نجیب الطرفین ہونے کے شرف وسعادت سے مشرف ومسعود تھے اور یہ بات چنداں باعث تعجب وتحیر نہیں کہ

فلا غرو أن يحذوا الفتى حذو والده

والدین عالم وفاضل اور معروف معنی میں تعلیم یافتہ نہ تھے، مگر علم وعلماء کی صحبتوں، مجلسوں، خطب ومواعظ، حضور مجالس وعظ وارشاد اور جمعہ وجماعات نے ان کو صحبت صالح ترا صالح کند کا مصداق اور حسن أولئك رفيقا کے اثرات طیبات نے علماء کے تقوی، دینداری وایمانداری اور للّٰہیت واخلاص کا پیکر بنا دیا تھا۔

اب جو کچھ باقی تھا ان کو ہندوستان وخاندان کے سب سے بڑے تعلیمی، علمی اور تربیتی مرکز میں زیور تعلیم سے آراستگی اور فراغت نے " اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کے مصداق بنا دیا تھا۔ گھر کے دیگر افراد خانہ میں آپ کے برادران ہوشمندان، خردمندان وبزرگان برادران یوسف کے برخلاف ماں باپ کی طرح برادر عزیز پر مہربان تھے اور عزیز از جان رکھتے تھے۔ ہم نے جس قدر مشاہدہ کیا اور اندازہ لگایا کہ بچپن سے آپ کے بھائیوں کا آپس میں خصوصا آپ کے ساتھ جو عزیزانہ، مشفقانہ وہمدردانہ اور محبت والفت، عنایت وتوجہ اور خورد نوازی کا سلوک تھا اس قرب وتعلق اور محبت ومودت کے ماحول نے بچپن میں اور زیادہ بہتر اور خوشگوار وخوش اطوار بنا دیا تھا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ کی ہر خوشی اور بھائیوں کے تئیں آداب ولحاظ اور حسن اخلاق اور بڑوں کی قدردانی خصوصا والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد بھائیوں کو حقیقی سرپرست اور مشرف ومشفق گارجین سمجھنے اور ماننے کے ملکہ وہنر اور اپنائیت نے بھائیوں کی محبتوں کو آپ پر نچھاور کرتے رہنے کا مستحق واہل بنا دیا تھا اور سچ ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ اور یہ بات محض اندازے سے اور آپ کی جوانی کے تجربے کی روشنی میں ہی نہیں عرض کر رہا ہوں بلکہ مشاہدے ومعائنے کی طرح اساتذہ کبار وعلماء عظام جامعہ سلفیہ خصوصا اساتذہ گرامی مولانا محمد رئیس ندوی، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا عبد الوحید رحمانی وغیرہم رحمھم اللہ کی زبانی جو آپ کے ہونہار، مودب اور اساتذہ کی آنکھوں کا تارہ اور مرکز توجہ ہونے کا ذکر خیر سنا تھا وہ ان کی سعادت مندی، استاذ کی عزت اور درسگاہ وانجمن سے لے کر ہر جگہ ان کے شاگرد رشید محنتی طالب علم، مودب تلمیذ، فرماں بردار خوشہ چیں اور ذہین وفطین ہونے کا ثبوت دیتے تھے اور جس کی گواہی تمام اساتذہ مدتوں دیتے رہتے تھے، وہ سب شاہد عدل ہیں کہ بھائیوں کا حسن سلوک، عزت افزائی، خورد نوازی اور ذرہ نوازی محض بڑے بھائی ہونے کے ناطے نہ تھی بلکہ آپ کی دلنوازی، آپ کے اندر چھپے ہوئے جوہر اور بڑوں کی خدمت وقدردانی نے تمام بھائیوں اور جماعت کی آنکھوں کا تارا اور دلارا بنا دیا تھا اور آپ ہر دل عزیز ہو گئے تھے۔

آپ کے بھائی جو سگے نہ تھے، بلکہ آپ کی پہلی ماں کے بطن سے تھے، مگر حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر شفیق ورحیم اور حلیم تھے۔ آپ ان کے نزدیک عزیز از جان تھے، جو آپ کی پوری زندگی میں صاف صاف نظر آتا تھا۔ سب ایک دوسرے کے فدائی، جانثار اور دست وبازو تھے، گھریلو وخاندانی معاملات ہوں یا سیاسی وسماجی اور دینی ومسلکی، اپنوں سے معاملہ ہو یا غیروں سے علی قلب رجل واحد، اخوۃ متحابین اور چار جسم یک جان رشک کی حد تک تھے۔ احترام ومحبت اور الحب والاحترام المتبادل کا نقشہ نظروں کے سامنے گھوم جاتا تھا۔

مولانا شاہد جنید صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ چار بھائی تھے۔آپ ان میں سب سے چھوٹے تھے۔آپ کے بڑے بھائی لاٹ صالح مشہور تاجر کبیر تھے اور سیاست کی دنیا میں بڑی قد آور حیثیت کے مالک تھے۔بنارس جیسے شہر باوقار کے میئر رہے، جہاں مسلمانوں اور ہندوؤں میں کئی حیثیت سے ملکی پیمانے کے عظیم سیاست دان اور تاجران کی موجودگی میں میئر بن گئے۔گذرے زمانہ میں آج کی طرح مذہبی اور فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنے کی سیاست کی دوکان نہیں چمکائی جاتی تھی، آپ محض اپنے سیاسی اثر ورسوخ، ذاتی وجاہت، مالی قوت اور دینی وسماجی طاقت کی بل پر بنارس جیسے شہر میں میئر کی کرسی پر براجمان تھے اور براہ راست یوپی کی سیاست میں وزیر اعلیٰ سے لے کر حکام بالا اور افسران اعلیٰ تک اپنی ایک پہچان رکھتے تھے اور تمام اہم حلقوں میں جانے مانے جاتے تھے۔چونکہ جامعہ سلفیہ کے قیام وتاسیس اور اس کی تعمیر وترقی میں آپ کے والد گرامی، خاندان اور خود آپ کا بھی بڑا کردار رہا ہے اس لئے ہندوستان بھر میں خصوصی طور سے یوپی میں اس حیثیت سے بھی جانے جاتے تھے۔

ایک زمانہ میں اکثر جمعہ کی نماز جامعہ سلفیہ بنارس میں ہی ادا کرتے تھے اور طلبہ واساتذہ میں ان کے آنے جانے اور ملنے ملانے کا تذکرۂ جمیل ہوتا رہتا تھا۔ہم کو طالب علمی اور مدرسی دونوں زمانوں میں ان سے بار بار ملنے کا اتفاق ہوا۔ان کی شرافت اور بڑکپن سے متاثر ہوئے۔آپ کے دوسرے منجھلے بھائی سالم صاحب نہایت شریف النفس، خدا ترس، دینی مزاج اور جامعہ وعلماء اور مدارس ومساجد اور اس کے متعلقین سے قلبی تعلق رکھتے تھے۔حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ آپ حسن کردار اور ان کی اعانت ومدد کے سلسلے میں آپ کے اعلیٰ اخلاق کا تذکرہ رہتا تھا، ہنس کر ملنے کا انداز بڑا نرالا ہوتا تھا اور دوسروں کے لئے فکرمندی اور حاجت براری کی خوکوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔جب تک ان کو کوئی مس گائڈ اور غلط اطلاع ومشورہ نہیں دیتا وہ ذاتی طور پر کسی کو کوئی سوال وضرورت پوری کرنے سے محروم نہیں کرتے تھے۔جامعہ سلفیہ کی نظامت کے لئے ہم سنتے تھے کہ وہ قبول کرنے کے لئے ہرگز روادار نہ تھے کیونکہ وہ عالم دین نہ تھے۔مگر جب ان کو ذمہ داری دی گئی تو اپنی صلاحیت اور قوت بھر اس ذمہ داری کو شریفانہ اور باوقار انداز میں ادا کرتے رہے۔

آپ کے تیسرے بھائی شعیب دابے بے بھی اپنی مالی وجاہت، وسیع تعلقات اور دست سخا کی وجہ سے بہت معروف تھے، گرچہ آپ کی سخاوت وفیاضی اور دریا دلی کچھ خاص انداز کی تھی اور داد ودہش کی دنیا الگ تھی، اور اس کی وجہ سے ہندو مسلم اور اونچی سوسائٹی میں ایک نام پیدا کر رکھا تھا۔اس زمانہ میں جب کہ لوگ ہوائی جہاز اور ایروپلین دور سے دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور چرچا ہوتا تھا کہ فلاں نے ہوائی جہاز کو قریب سے دیکھا ہے یا اس کی سواری کی ہے۔بابت پوروارانسی ہوائی اڈہ پر جب ہم لوگ مدینہ منورہ میں پڑھنے والے کسی طالب علم کو الوداع کہنے یا بعد کے دنوں میں کسی عرب مہمان کا استقبال کرنے جاتے تھے تو مولانا شاہد جنید مرحوم کے بھائی شعیب دابے بے کا نام استعمال کر کے اندر تک داخل ہو جاتے تھے۔ان کے تعلقات وسیع تھے اور ہر طرح کے لوگوں سے تھے، خواہ ہندو ہوں، یا مسلم آفسران ہوں، یا حکام اور تجار آپ کے ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے شناسا اور قدردان تھے ہی۔مولانا شاہد جنید مرحوم کے انتقال اور تدفین کے موقع سے دونوں بھائیوں محترم سالم صاحب اور شعیب دا حفظہم اللہ کو پیرانہ سالی، کمزوری ونقاہت اور غم واندوہ کی حالت میں قبرستان میں بنی کرسی نما بنچ پر بیٹھے دیکھ کر رنج وافسوس ہوا اور شدت سے احساس ہوا کہ کتنی سرعت سے جماعت کے بڑوں اور سرکردہ لوگوں کا سایہ سر سے اٹھتا جا رہا ہے۔اور بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔کا مصداق نظر آ رہا ہے۔کل تک شہر بنارس میں جو ستون سمجھے جاتے تھے، جن کی جوانی اور قوت اور جاہ وحشمت اور جدوجہد سے جماعت وملت میں حرکت ونشاط اور قوت نظر آتی تھی۔آج وہ زندگی کے آخری پڑاؤ میں ہیں اور اس پیرانہ سالی میں اپنے سے چھوٹے پیارے اور عزیز ترین بھائی کی جدائی کا غم سینے میں اٹھائے ہوئے کس قدر حزین وغمگین نظر آ رہے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ دونوں سے مل کر غم فراق مولانائے مرحوم کا غم کا زخم اور گہرا ہو گیا۔رہ گیا ان کے فرزندان انس وخالد سے وفات کے بعد ان کے قبر والد پر ملنے کا منظر وہ تو دیدنی تھا ہی اندر سے خود اپنا وجود ہلتا نظر آ رہا تھا۔جس کا اندازہ کرنا ہر کس وناکس کے لئے مشکل ہے۔الا یہ کہ اپنے والد کے انتقال کے صدمۂ جاں کاہ سے کوئی دوچار ہوا ہو اور اس المناک مرحلے سے گزرا ہو۔

ولیس موت الوالد هینا　　　ولکنه بنیان قوم تهدما

مولانا شاہد جنید بنارسی صاحب جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے ازخاندان بانیان اور زینت منصب صدارت تو تھے ہی آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے رکن مجلسِ عامل، کلیہ امہات المومنین، جامعہ رحمانیہ اور کئی دینی اداروں کے سرپرست بھی تھے۔آپ نے مادر علمی کی بڑی خدمات انجام دیں۔مولانا جامعہ سلفیہ میں قیام کے زمانہ سے ہی ناچیز سے تعلق خاطر رکھتے تھے اور محبت فرماتے تھے، مرکزی جمعیت کی ہمہ جہت دینی، دعوتی، تعلیمی، تربیتی، علمی، تحقیقی، تعمیراتی اور رفاہی خدمات کے بارے میں معلومات حاصل کر کے خوش ہوتے تھے اور ہمت افزائی فرماتے تھے اور عام حالات کے علاوہ بھی اہم اور نازک اوقات میں ہمت، صبر اور حکمت کے ساتھ مردانہ وار کام لینے کا مشورہ دیتے تھے۔بلاشبہ ان کا انتقال ملت وجماعت کا خسارہ ہے۔

مولانا عبدالوحید سلفی ناظم جامعہ سلفیہ بنارس کے انتقال کے بعد آپ کو نظامت علیا کے منصب پر فائز کیا گیا۔آپ کا دور نظامت جامعہ میں بہتر ادوار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔جامعہ فطری طور پر بلا کسی روک ٹوک کے تعمیر وترقی کی راہ پر رواں دواں رہا وہ اساتذہ کرام، طلباء عزیز اور جملہ متعلقین سے بڑی دلچسپی اور لگن اور مگن سے باہم شیر وشکر ہو کر خوش دلی سے جامعہ کے کاموں سے دلچسپی رکھتے تھے۔اور بڑے آزادانہ

طور پر کھلی فضا اور احترام و اکرام، شفقت و مہربانی کے ماحول میں تعلیمی و علمی و تربیتی سفر رواں دواں تھا۔ اساتذہ آپ کے اخلاق سے متاثر تھے کیونکہ وہ کوئی کام خوش دلی سے کرتے کراتے تھے۔ اور حسن استقبال اور خوشروئی سے وخندہ پیشانی سے ملتے تھے اور کم از کم چند میٹھی بول سے دکھ درد میں شریک و سہیم رہتے تھے۔

ناظم عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ مجھ پر ذاتی طور پر مہربان تھے۔ والد ماجد کو بیماری ہوئی تو اپنی گاڑی پر اپنے بڑے فرزند جناب مولانا عبداللہ سعود صاحب کے ساتھ ہندو یونیورسٹی علاج کے لئے بھیجا۔ مجھے کبھی چھٹی کے لئے درخواست دینے کی نوبت نہیں آئی۔ کہتے تھے کہ شیخ الجامعہ کو بتا کر چلے جایا کریں۔ میں ازہری صاحب رحمہ اللہ یا شیخ الجامعہ مرحوم صاحب کو اطلاع دے کر چلا جایا کرتا تھا مگر اس کا ہرگز مطلب نہیں کہ متعینہ چھٹی سے زیادہ کبھی چھٹی لی ہو۔ بلکہ ہماری اپنی اتفاقیہ اور دستور میں دی گئی چھٹی کو کبھی پورا نہیں لیا۔ اور دن رات ایک کر کے چھٹی کے دنوں میں بھی رضا کارانہ خدمت علم و جامعہ کرتے رہے۔ مولانا شاہد جنید مرحوم کے دور نظامت میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اس زمانہ میں پورے ہندوستان خصوصاً بہار و بنگال یوپی بستی گونڈہ سے چندہ کرنے والے تعاون حاصل کرنے اور مدارس و مساجد کی تعمیر و اعانت کے لئے ہمیشہ کچھ نہ کچھ حضرات مہمان خانہ جامعہ میں پڑے ہی رہتے تھے۔ اور حسب سہولت مولانا عبدالوحید رحمانی سلفی مرحوم مولانا عبدالوحید رحمانی اور ان کے بعد کے دور میں مولانا شاہد جنید مرحوم اپیل لکھ دیتے تھے یا درخواست ہی پر اپنی طرف سے عطا کردہ رقم لکھ دیتے تھے۔ بقیہ چندہ دینے والے بھی اپنا اپنا چندہ یوں ہی لکھ کر ادا کر دیتے تھے۔ میں نے بارہا سفارش اور ہر جگہ کے لئے سفارش کی جب کہ شیخ الجامعہ بھی لکھتے تھے اور ضرورت مند آتے تو میں ضرور اہم امور میں لکھ دیتا تھا۔ اور مولانا شاہد جنید صاحب جیسا محسن انسان ضرور چندہ بھی دیتے اور اس ورقہ پر لکھ بھی دیتے جس کا مطلب ہوتا کہ دیگر حضرات بھی حسب حیثیت ضرور کچھ نہ کچھ ادا کریں۔

کئی واقعات لائق ذکر ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے ایک واقعے کی طرف اشارہ کر دینا اس حالت سفر اور عجلت میں ہی سہی کر دینا مناسب ہے۔ بہت سے اساتذہ تعطیل گرما وکلاس میں شادی بیاہ اور تعمیر مکان کے لئے قرض لینے پر مجبور ہوتے۔ بسا اوقات جامعہ مجبور ہوتا میں اپنی بساط بھر دے دیتا تھا۔ مگر گنجائش نہ ہوتی تو اپنی سفارش اور ضمانت پر بعض اساتذہ کو قرض دلوا دیتا۔ اور مولانا شاہد جنید صاحب ضرور دیتے۔ مگر اسی وقت کوئی دوسرا بھی کہتا تو بات مشکل ہو جاتی۔ تو بعض اوقات اپنے نام پر قرض لے لیا اور شاہد صاحب خوش دلی سے دیدیتے تھے۔ جس پر ڈاکٹر رضاء اللہ مرحوم ناراض ہوتے کہ قرض لے کر قرض دینا مناسب نہیں حالانکہ ہمیشہ وقت مقررہ سے پہلے قرض چکانے کی کوشش کرتا چاہے مجھے دیر سویر ملے نہ ملے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میرے قرب وجوار میں واقع لچھنوتا بستی کا ایک بوڑھا آدمی اس حال میں آیا کہ اس پر ترس آیا اس زمانہ میں بائیس ہزار روپیہ کی بڑی قیمت تھی وہ ایک غیر مسلم کا قرض دار تھے اور اپنی زمین گروی رکھی ہوئی تھی ان کی روزی روٹی اور گھر کے خرچے کا دارومدار انھی کھیتوں پر تھا اور وقت مقررہ پر قرض نہ ادا کرنے پر پوری زمین کے ختم ہوجانے کا یقین تھا۔ میں نے اپنی طرف سے خط لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی صاحب نے جب معاملہ کی نزاکت دیکھی تو پریشان ہوگئے اور اس کی لاکھوں کی زمین ہاتھ سے نکل جانے کا یقین تھا۔ فکرستانے لگی انھوں نے کہا کہ اپنی طرف سے ایک توصیہ بناؤ میں نے بوجوہ انکار کیا تو انہوں نے قلم تھاما اور میری طرف سے ایک توصیہ لکھ دیا۔ میں ناراض ہوا کہ ابھی لکھا تھا مگر وہ نہ مانے کہ تمہاری ہی طرف سے ہی رہے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بزرگ جو اہل حدیث نہ تھے، بنارس کے لوگوں سے ملے اور قدرے رقم جمع ہوئی مگر بڑی رقم باقی تھی جب موصوف شاہد جنید مرحوم کے پاس پہنچے تو انھوں نے بقیہ تمام رقم غالباً بیس ہزار یا بارہ ہزار پورا کر دیا۔ اور کہا کہ اب کہیں نہ جائیں۔ یقیناً یہ فک رقبہ (غلام آزاد کرنا) تھا اور اقتحام عقبہ (بڑی چوٹی اور گھاٹی کا سر کرنا) تھا، میں نے کم لوگوں کو ایسی خوشی میں ایسا جھومتا ہوا دیکھا ہوگا۔ جو اس آدمی کے سراپا کو دیکھا اور اس کے کلمات شکر و امتنان کو سن کر ہوا۔ **فللہ الحمد والمنۃ** آہ! شاہد صاحب مرحوم آپ کے بارے میں علمی تعلیمی اخلاقی شواہد اور بھی ہیں۔ جو آپ کے لئے ذخیرۂ آخرت ہیں۔ زاد راہ، سفر آخرت ہیں۔ غفر اللہ لہ۔ لیکن وقت کی تنگ دامانی اور عدیم الفرصتی کی مجبوری دامن گیر ہے۔

افسوس کہ بتاریخ ۱۴/اپریل ۲۰۲۵ء تقریباً دس بجے صبح طویل علالت کے بعد بعمر تقریباً ۷۵/سال یہ علم کا دلدادہ اور مطالعے کا شوقین خصوصاً عربی کتابوں اور سلفی کتب بینی کے شیدائی اور خاص طور پر محدث عصر حافظ دوراں، معلم زمانہ، فقیہ عصر، ناقد حدیث اور خادم کتاب و سنت امام البانی رحمہ اللہ کی کتابوں کا رسیا اور ان سے محبت کرنے والا اور عصر حاضر کے حالات و نظریات پر مشتمل لٹریچر پر باخبر اور موجودہ دور کے افکار و نظریات پر نظر رکھنے والا انسان ہمارے درمیان سے چلا گیا اور فہم و فراست علماء کا قدردان اور تجارت دینی و دنیوی کا ماہر اور غرباء کا مسیحا داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ان کے جنازہ کی نماز اسی روز بعد نماز عشا (۹/بجے شب) جامعہ سلفیہ بنارس میں ادا کی گئی اور آبائی قبرستان سگرا کے باغ، مدن پورہ میں تدفین عمل میں آئی۔

پسماندگان میں بیوہ، دو صاحبزادے انس انصاری صاحب اور خالد انصاری صاحب اور ایک صاحبزادی صبا سلمہا اور دیگر تمام پوتے پوتیوں اور خویش و اقارب کو اللہ تعالیٰ کتاب و سنت اور ایمان پر گامزن رکھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان و متعلقین کو صبر و سلوان عطا فرمائے اور جامعہ سلفیہ بنارس کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔

☆☆☆

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق نائب امیر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے سابق صدر شعبہ اردو، معروف ناقد، محقق، مصنف اور ادیب پروفیسر شمس الحق عثمانی صاحب کے انتقال پر مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی کا تعزیتی پیغام

دہلی: ۲۳/اپریل ۲۰۲۵ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق نائب امیر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے سابق صدر شعبہ اردو، معروف ناقد، محقق، مصنف اور ادیب پروفیسر شمس الحق عثمانی صاحب کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے، پسماندگان کے ساتھ گہری تعزیت کی ہے اور ان کے انتقال کو ملک وملت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

امیر محترم نے کہا کہ پروفیسر شمس الحق عثمانی صاحب، جن کا کل بتاریخ 22/اپریل 2025ء بوقت سوا ایک بجے دن طویل علالت کے بعد بعمر تقریبا 81/ سال انتقال ہوگیا، کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ نیک طبع، علم دوست، علماء کے قدرداں، مہمان نواز، نہایت خلیق وملنسار اور جماعتی وملی غیرت سے سرشار تھے۔ آپ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے نہایت معتبر ومقتدر اساتذہ میں سے تھے۔ آپ نے اردو زبان وادب کی بڑی خدمات انجام دیں۔ اسی طرح مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے کاز سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے اور کئی سال تک نائب امیر کے عہدہ پر بھی متمکن رہے اور قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کے دوثلث کی ایڈیٹنگ اور پیسٹنگ کا کام انجام دیا۔ اسی طرح انہوں نے علم وادب کا خزینہ اپنا قیمتی ذاتی مکتبہ مرکزی جمعیت کو وقف کردیا جو ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے ان کی گراں قدر علمی وادبی اور دینی وجماعتی خدمات کے اعتراف میں اپنی حالیہ پینتیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے موقع پر اہل حدیث ایوارڈ کا مستحق قرار دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب ناچیز سے تعلق خاطر رکھتے تھے اور محبت فرماتے تھے، مرکزی جمعیت کی ہمہ جہت دینی، دعوتی، تعلیمی، تربیتی، علمی، تحقیقی، تعمیراتی اور رفاہی خدمات کے بارے میں معلومات حاصل کرکے خوش ہوتے تھے۔ بلاشبہ ان کا انتقال ملت وجماعت کا خسارہ ہے۔

پسماندگان میں بیوہ، ایک صاحبزادے معین الحق غزالی صاحب اور ایک صاحبزادی مشربہ زمرد ہیں۔ کل ہی بعد نمازِ مغرب ان کی نماز جنازہ کی پہلی جماعت لال مسجد پنجابی پھاٹک دہلی میں اور دوسری جماعت آئی ٹی قبرستان میں ہوئی اور تدفین آئی ٹی او قبرستان میں عمل میں آئی۔ جس میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی اور جمعیت کے دیگر ذمہ داران وکارکنان کے علاوہ بڑی تعداد میں یونیورسٹیوں کے اساتذہ وطلباء، علماء اور عوام وخواص کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، لغزشوں سے درگذر کرے، خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر وسلوان عطا فرمائے۔ آمین۔

پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دیگر ذمہ داران وکارکنان نے بھی پروفیسر شمس الحق عثمانی صاحب کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا کی ہے۔

ریاست جموں وکشمیر کے پہلگام میں دہشت گردانہ حملہ قابل سخت مذمت/اصغرعلی امام مہدی سلفی

دہلی: ۲۳/اپریل ۲۰۲۵ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے ریاست جموں وکشمیر کے پہلگام میں منگل کو سیاحوں پر ہوئے دہشت گردانہ حملے کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے اور اسے غیرانسانی وبزدلانہ عمل قرار دیتے ہوئے مہلوکین کے ورثاء سے قلبی تعزیت کی ہے اور زخمیوں سے قلبی ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔

مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے مزید کہا کہ ہم پلوامہ کے سنگین ترین دہشت گردانہ حملہ کی المناکی کو بھول بھی نہ پائے تھے کہ یہ دہشت گردانہ ومجرمانہ حملہ ہوگیا۔ اس طرح کے سنگین جرائم کے مرتکبین کسی بھی طرح بخشے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ حکومتوں کو چاہیے کہ اس کے اصل ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچائیں، تاکہ آئندہ پھر کبھی کوئی وطن عزیز کے امن وامان اور شہریوں کی قیمتی جان ومال سے کھلواڑ کرنے کی جرأت نہ کرسکے۔

امیر محترم نے اپنے بیان میں عوام وخواص اور میڈیا سے صبر وتحمل سے کام لینے اور امن وقانون اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی خرابی کا سبب والی ہر سرگرمی سے کلی اجتناب کرنے کی اپیل کی ہے۔ ☆☆

ہندوستان کی مشہور و معتبر اور مرکزی دینی دانشگاہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم)بنارس کے صدر اورمرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے رکن مجلسِ عاملہ معروف عالم دین مولانا شاھد جنید بنارسی صاحب کا انتقال پُرملال:

نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبرسنی گئی کہ ہندوستان کی مشہور ومعتبر اور مرکزی دینی دانشگاہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے صدر، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے رکن مجلسِ عاملہ، جامعہ رحمانیہ اور جامعہ سلفیہ بنارس کے بانی اور نہایت ہی مقتدر ومخیّر خانوادہ کے چشم وچراغ معروف عالم دین مولانا شاہد جنید بنارسی صاحب کا بتاریخ 14 / اپریل 2025ء تقریبا دس بجے صبح طویل علالت کے بعد بعمر تقریبا 75 / سال انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا شاہد جنید بنارسی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ نیک طبع، علم دوست، علماء کے قدرداں، مہمان نواز، نہایت خلیق وملنسار، مخیّر اور کئی دینی اداروں کے سرپرست تھے۔ آپ جامعہ سلفیہ بنارس کے ذہین ترین فارغین میں سے تھے۔ انھوں نے مادرعلمی کی بڑی خدمات انجام دیں۔ مولانا جامعہ سلفیہ میں قیام کے زمانہ سے ہی ناچیز سے تعلق خاطر رکھتے تھے اور محبت فرماتے تھے، مرکزی جمعیت کی ہمہ جہت دینی، دعوتی، تعلیمی، تربیتی، علمی، تحقیقی، تعمیراتی اور رفاہی خدمات کے بارے میں معلومات حاصل کرکے خوش ہوتے تھے اور ہمت افزائی فرماتے تھے اور عام حالات کے علاوہ بھی اہم اور نازک اوقات میں ہمت، صبر اور حکمت کے ساتھ مردانہ وار کام لینے کا مشورہ دیتے تھے۔ بلاشبہ ان کا انتقال ملت وجماعت کا خسارہ ہے۔

پسماندگان میں بیوہ، دو صاحبزادے انس انصاری صاحب اور خالد انصاری صاحب اور ایک صاحبزادی ہیں۔ جنازہ کی نماز بعد نماز عشا (۹ / بجے شب) جامعہ سلفیہ بنارس میں ادا کی گئی اور آبائی قبرستان سگرا کے باغ، مدن پورہ میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، لغزشوں سے درگذر کرے، خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبروسلوان عطا فرمائے اور جامعہ سلفیہ بنارس کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔ (شریک غم ودعا گو: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ودیگر ذمہ داران وکارکنان)

مقدس گرلز اسکول کے مؤسس اور ڈائریکٹر جناب اسلم بابر علی صاحب کو صدمہ:

یہ خبر نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ مقدس گرلز اسکول کے مؤسس و ڈائریکٹر جناب اسلم بابر علی صاحب کی جواں سال صاحبزادی کا ۱۵/اپریل ۲۰۲۵ء کو انتقال ہوگیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ نیک خصلت اور صوم وصلاۃ کی پابند تھیں۔ صلاۃ جنازہ اہل حدیث کمپلیکس ابوالفضل انکلیو میں ادا کی گئی۔ اور تدفین بٹلہ ہاؤس قبرستان میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے، جنت الفردوس کی مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبرجمیل کی توفیق بخشے۔ آمین (شریک غم ودعا گو: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

سماجی ورفاھی کاموں سے دلچسپی رکھنے والے مشہور ومعروف انجینئر قمرالزماں خان صاحب کے والد محترم جناب افتخار احمد خان صاحب کا انتقال پُرملال:

نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبرسنی گئی کہ معروف سماجی ورفاہی کارکن انجینئر قمرالزمان خان صاحب کے والد محترم جناب افتخار احمد خان صاحب کا بتاریخ 22 / اپریل 2025ء بوقت تقریبا ڈیڑھ بجے دن طویل علالت کے بعد بتیا کے ایک ہاسپٹل میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

جناب افتخار احمد خان صاحب نیک طبع، دیندار، خلیق وملنسار، علم دوست اور علماء کے قدرداں تھے۔ علاقہ میں بڑا اثرورسوخ تھا۔ آپ کا تعلق بتیا کی معروف بستی سکٹا دیوراج سے تھا۔ آپ کے پسماندگان میں صاحب زادے انجینئر قمرالزمان خان صاحب اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

تدفین ۲۳/اپریل ۲۰۲۵ء کو صبح دس بجے آبائی وطن سکٹا دیوراج میں عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، لغزشوں سے درگذر کرے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبروسلوان عطا کرے۔ آمین۔

مرکزی جمعیت کے جملہ ذمہ داران اور کارکنان نے بھی انجینئر قمرالزماں سے تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ (شریک غم ودعا گو: محمد اظہر مدنی، صدر جامعہ ابوبکر صدیق الاسلامیہ برندابن بہار و ڈائرکٹر اقراء انٹرنیشنل اسکول، جیت پور، نئی دہلی)

☆☆☆

اہل حدیث منزل کی تعمیر وتکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے : (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292